نوابی
عہد کے
ھندوؤں
کا
فارسی ادب
میں
یوگدان

Harsh Narain
M. A., Ph. D.
Visiting Professor of Philosophy
Aligarh Muslim University

Nawabi Ahad ke Hinduon Ka Farsi Adab men Yogadana contains brief descriptions of Hindu men of letters writing in Persian right from the date (1722) of the inception of the Nawabi dynasty in Avadh down to this day, covering in all 142 writers of prose as well as poetry.

Technically speaking, Persian is a foreign language; yet it has become a part and parcel of Indian history and culture, any account of which will be incomplete without due notice of the literature produced on the Indian soil. And this literature has been enriched not only by the Muslims but by the Hindus as well. The Hindu contribution to Persian lexicography is unique by all accounts. Indeed, Tek Chand Bahar, the author of the Bahar-i 'Ajam is likely to outlive many a lexicographer of Iran.

Dr. Narendra Bahadur Srivastava is a veritable pioneer in the field of research on Hindu contributions to Persian language and literature. He is engaged in compiling further volumes on the subject. The work under review is designed just to introduce the topic and we may await detailed descriptions in his subsequent works.

پیش کش

بخدمت ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا

تحفہ

16/481 Indira Nagar Lucknow UP

[illegible]

نوابی عہد کے

ہندوؤں کا

فارسی ادب میں یوگدان

ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا

ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، منشی، مولوی، کامل، عالم (لکھنؤ یونیورسٹی)

تصنیف : ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستو
کتابت : وزیر حسن
طباعت : نامی پریس لکھنؤ
اشاعت : بارِ دوم، ستمبر ۱۹۸۳ء ۶۰۰
قیمت : پچیس روپے۔

✲ ✲ ✲

--- ملنے کے پتے ---

16/481 Indira Nagar Lucknow

(۱) ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستو
اے بلاک ۹۰ نمبر۔ رام ساگر مصرا کالونی۔ لکھنؤ
(۲) دانش محل، امین آلدولہ پارک لکھنؤ
(۳) شہنانہ پبلیکیشنز۔ شہامت گنج، بریلی
(۴) مکتبۂ جامعہ۔ جامع مسجد دلی۔

انتساب و اعتنان

اپنی ناچیز تالیف کو اودھ کی اس مشترکہ و اتحاد
پسند تہذیب و ثقافت کے نام معنون کرتا ہوں
جس نے ادب پرور، وسیع نظر اور فراخ حوصلہ
نوابوں کے زیر سایہ عروج و ارتقاء کے منازل طے
کئے اور غیر مسلم شعراء و ادبا کے قلوب بھی فارسی
عربی اور اردو کی لازوال محبت سے معمور کر دے۔

(ڈاکٹر) نریندر بہادر سریواستوا

فہرست

پیش لفظ

ہندستان میں مغلیہ سلطنت کے عہد میں فارسی کا نہایت دور دورہ تھا۔ ہندوستان کی سبھی زبانوں نے فارسی کا اثر قبول کیا تھا۔ تمام فارسی الفاظ اور محاورے ہندوستان کی بیشتر زبانوں میں شیر و شکر ہو گئے تھے۔ ہندی کے مایۂ ناز شاعر گوسوامی تلسی داس جی نے اپنی رامائن میں متعدد فارسی الفاظ استعمال کئے ہیں کیونکہ اپنا مقصد و پیام عوام تک پہنچانے کے لیے عوام کی زبان میں شاعری کرنا ضروری تھا ہے۔ اسی دور میں ہندؤں نے بھی فارسی زبان کو اپنایا اور اس میں مہارت حاصل کی۔ انھوں نے اس زبان میں جملہ علوم و فنون کے ساتھ شاعری کے میدان میں خاص طور پر اپنی فکر و تخیل کی جولانیاں دکھلائی ہیں ساتھ ہی نثر نگاری میں بیش بہا کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ٹیک چند بہارؔ نے "بہار عجم" جیسی لغت تصنیف کر کے دوامی شہرت حاصل کی اس لغت کی اہمیت کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ہندوؤں کی ساری تصنیفات کو نظر انداز کر دیا جائے تو محض "بہار عجم" ایسی واحد تصنیف ہوگی جو فارسی میں ہندؤں کا ایک عظیم کارنامہ خیال کیا جائے گا

اسی دور میں شمالی اور جنوبی ہندوستان میں اور ان تمام علاقوں میں جو علم و ہنر کے مراکز تھے وہاں ہندؤں نے فارسی زبان

کی خدمات اپنی تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ انجام دی ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں اودھ کے ہندو فارسی داں ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے ہندو اہل علم و دانش سے کبھی پیچھے نہیں رہے۔ یہاں کے بہت سے ہندو اصحاب نے فارسی شاعری اور نثر نگاری میں اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔ ان کے حالات تصانیف تاریخ اور تذکروں کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں اور زمانے کی ناقدری کی بنا پر تلف ہو رہے ہیں۔

چنانچہ اس تحقیق کا مقصد یہی ہے کہ ان مصنفین اور ان کی تصنیفات تالیفات کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے، تاکہ آنے والی نسلیں ان کی ادبی اور تمدنی اہمیت و افادیت سے واقف ہو سکیں اور دانشجویان ادب کو وہ روشنی مل سکے جو تحقیق کے تیرہ و تار راستوں میں مشعل کا کام دے۔

یہ مقالہ مندرجہ ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے

۱۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا فارسی نظم و انشار پردازی کے ارتقار میں حصہ۔

۲۔ اودھ کا تاریخی ثقافتی پس منظر۔

۳۔ اودھ کے فارسی ہندو شعرا۔

۴۔ اودھ کے فارسی ہندو نثر نگار۔

۵۔ ایک اجمالی ریویو اور خاتمہ

باب اول

اس باب میں مسلمانوں کے زمانے سے لیکر انگریزی عہد تک تمام ہندوستان میں ہندوؤں نے فارسی زبان میں مختلف موضوعات

پر متعدد کتابیں تحریر کی ہیں ان کا جائزہ لیا گیا ہے اس ضمن میں بحث کرنے سے قبل مختلف مسلم بادشاہوں کے زمانے میں جو ادبی ماحول تھا اس کا ذکر کیا گیا ہے انھوں نے جو نوازشیں اور سرپرستیاں کی ہیں ان کی بھی مثالیں دی گئی ہیں اس عہد میں ہندوؤں کو انشاء پردازی میں خاص کمال حاصل تھا۔ دارالانشا، پر ہندو حضرات بالعموم کائستھ اور کشمیری برہمن چھائے ہوئے تھے ان انشا پردازوں میں منشی مادھو رام کا نام نہایت روشن اور معروف ہے ان کی کتاب "انشا ر مادھو رام" ایک عرصہ تک داخل نصاب رہی ہے لغت نویسوں میں ٹیک چند بہار اور وارستہ سرفہرست ہیں اس طرح نجوم وہیئت و فلسفہ و تاریخ و مذہبیات وغیرہ علوم کے ہر شعبہ میں ہندوؤں نے ہر عہد میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جو علم کا بیش بہا خزانہ ہیں۔

باب دوم

اس باب میں **اودھ** کی وجہ تسمیہ پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد مریادا پرشوتم رامچندر جی کے زمانے سے اودھ میں "نوابی" کی بنیاد پڑنے تک کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے بعد ازاں اودھ کے نواب اول برھان الملک سے واجد علی شاہ تک مختصر سیاسی و ثقافتی حالات قلمبند کیے گئے ہیں جس میں اس بات کا خاص دھیان رکھا گیا ہے کہ نوابین اودھ کے ادبی رحجانات اور ان کے ذریعہ ذی علم حضرات کے لیے کی گئی سرپرستی کا جائزہ لیا جاسکے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سا ماحول تھا جس کی وجہ سے ہندوؤں کی اتنی ہمت افزائی ہوئی کہ انھوں نے فارسی کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نواب آصف الدولہ کے زمانے میں فارسی زبان زشاعری کی جس قدر

ترویج و ترقی ہوئی وہ کسی اور عہد میں نہیں ہوئی تھی موصوف متعدد شاعروں کے مربی اور سرپرست رہے۔ غازی الدین حیدر بھی کتب بینی کے بڑے شائق تھے۔ انتظامی معاملوں میں مصروفیت کے باوجود بھی وہ روزانہ عالموں کی طرح سے مطالعہ کرتے تھے۔ وہ ایک بیدار مغز عالم تھے نواب نصیر الدین حیدر کو بھی شاعری سے لگاؤ تھا۔ محمد علی شاہ نے ادب کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کے زمانے میں سائنس وغیرہ کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرایا گیا۔ امجد علی شاہ نے بھی ادیبوں کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ راجہ کندن لال اشکی انہیں کے دربار سے وابستہ تھے نواب واجد علی شاہ کا تو کہنا ہی کیا۔ بقول راجہ درگا پرشاد سندیلوی "واجد علی شاہ کا سا کوئی بادشاہ علوم و فنون میں اس جامعیت کے ساتھ ہندوستان میں نہیں ہوسکا۔ نواب موصوف خود ساٹھ (۶۰) سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ واجد علی شاہ کو سنگیت اور ڈرامے کا بھی شوق تھا۔ وہ متعدد شاعروں کے مربی تھے۔"

اس باب سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ نوابین اودھ نے ایک خاصہ ادبی ماحول قائم کر دیا تھا۔ لکھنؤ اس وقت شاعروں ادیبوں اور فنکاروں کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ ماحول اودھ کے ہندوؤں کے لئے بھی نہایت سازگار ہے کس فضا میں ان لوگوں نے فارسی ادبیات کی بیش بہا خدمات انجام دیں جنھیں کوئی ادبی مورخ یا تذکرہ نویس کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

باب سوم

اس باب میں تقریباً سو شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اودھ سے وابستہ تھے۔ مختلف تذکروں سے انکے حالات زندگی

لئے گئے ہیں۔ تذکرہ گل رعنا، تذکرہ تاریخ الافکار، عقد ثریا، سفینۂ ہندی، سفینہ خوشگو، بہار سخن، تذکرہ بہار گلشن کشمیر، تذکرہ روز روشن، مجموعہ نغز، مجموعہ النفائس، تذکرہ خم خانہ جاوید، اور تذکرہ شعرائے ہنود وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ شاعروں کے دواوین سے بہت سی معلومات فراہم ہوئی ہیں۔ جیتی لال انس، موہن لال انیس۔ راجہ الفت رائے الفت، بھگوان داس بسمل، مکھن لال بہجت، سوم ناتھ طبعی برائے سنا تھ سنگھ بیدار، راجہ جسونت سنگھ پروانہ، مہاراجہ جے گوپال ثاقب، رائے جواہر سنگھ جوہر، راجہ جوالا پرشاد دقار، مہاراجہ چیت سنگھ، منشی خیالی رام خیالی، سروپ سنگھ دیوانہ، خوشدل رائے، دولت رام دولت، لکشمی نرائن رفیق، رائے کھیم چند رند، بااختیار سنگھ راقم، راجہ رتن سنگھ زخمی۔ منشی بندولال زار، لالہ سکھراج سبقت، شتیل داس بختیار، رائے بیکولال بستانہ، لالہ عوض رائے مسرت، مشرب بہوری سنگھ، راجہ رام بخش، بدھ سنگھ شادان، منشی طوطا رام شایاں، امرناتھ شعلہ، راجہ دولت سنگھ شکری، راجہ بالک رام صبوری، پنڈت سناتھ سنگھ بیدار، گوبند لال صبا۔ لالہ ٹیکا رام ظفر، پنڈت شیوکشن عاشق، پنڈت دیا ندھان عشرت، منشی منولال فلسفی۔ منشی کالکا پرشاد موحد، اور راجہ نول رائے وفا۔ وغیرہ بھی شامل فہرست ہیں۔ ان میں راجہ درگا پرشاد سندیلوی، راجہ جوالا پرشاد دقار وغیرہ ایسی نامور ہستیاں ہیں جو فوائی اور انگریزی عہد میں رابطہ کا کام انجام دیتی ہیں اس لیے اس مقالہ میں انکو بھی شامل کرنا مناسب سمجھا گیا۔ تمام شعرا کے کلام بطور نمونہ پیش کئے گئے

ہیں تاکہ ان کے تخیل کی بلندی گہرائی، زبان کی صفائی اور انداز بیان کا اندازہ
ہو سکے۔ ان میں چند ایسے ہندو شاعر بھی ہیں جن کا کلام اسلامی تہذیب و تمدن
پر مبنی ہے اور ہر نوع اسلامی روایات کا آئینہ دار ہے۔ اُن کے اشعار خلوص
عقیدت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں ان کے یہاں رسول اکرمؐ کی شان میں
حد درجہ عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ ان کا نام نہایت عزت و احترام سے
لیا گیا ہے۔ اور آپؐ کی شان میں دل کھول کر خامہ فرسائی کی گئی ہے ان
شعرا میں راجہ الفت رائے الفت کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

باب چہارم

اس باب میں نثر نگاروں کا تذکرہ ہے
جن کی تعداد تقریباً بیس ہے۔ اس دور میں
شاعروں کے مقابلہ میں نثر نگاروں کی تعداد بہت کم ہے، جس کی وجہ یہ
معلوم ہوتی ہے کہ نثر میں مطالعہ کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ بغیر مطالعہ
اور زبان پر عبور حاصل کئے انشا پردازی غیر ممکن ہے۔ اس میں لگن کے
ساتھ ساتھ محنت شاقہ کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر آدمی کے بس کی بات
نہیں ہے۔ شاعری سیدھی سادی زبان میں کی جاتی ہے تو اس کا اثر
خاطر خواہ ہوتا ہے اور قارئین پر اشعار جادو کا سا اثر کرتے ہیں۔

باب پنجم

اس باب میں شعرا کے کلام پر ایک اجمالی تبصرہ
کیا گیا ہے اور نمونہ کے طور پر اشعار بھی پیش کیے گئے
ہیں تاکہ ان کے کلام کا تنقیدی طور پر صحیح جائزہ لیا جا سکے۔ شاعروں کے
بعد انشا پردازوں پر ایک مختصر سا تبصرہ کیا گیا ہے۔ تاکہ یہ بات پایۂ
ثبوت کو پہنچ سکے کہ اس دور میں کس قسم کی انشا خاص و عام میں مقبول
تھی اور فنی اعتبار سے اس دور کے انشا پردازوں میں کیا کیا خوبیاں

تھیں۔ اس طرح اس مقالہ کے پانچ ابواب ہیں۔

یہ مقالہ جناب ڈاکٹر رغیب حسین مرحوم، ریڈر فارسی ڈپارٹمنٹ لکھنؤ یونیورسٹی، کی رہنمائی اور سایۂ عاطفت میں مکمل کیا گیا تھا۔ ناسازگار حالات، اقتصادی پیچیدگیوں نیز بہت سی دوسری دشواریوں کی باعث مقالے کی تیاری میں کافی وقت لگ گیا۔ لیکن میں جناب رغیب حسین صاحب مرحوم کا بہ صمیم قلب ہمیشہ شکر گذار رہوں جن کی شفقتوں نے ہمیشہ مجھ میں ایک نئی امنگ پیدا کی اور ہمہ وقت میری کمزوریوں کو مستعدیوں میں تبدیل کرتے رہے۔ ایک سچے بزرگ کی طرح انھوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ہر نوع میری ہر ممکن مدد بھی کی۔

میں اس ضمن میں جناب نور الحسن ہاشمی کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے ریسرچ کے عنوان کے انتخاب سے لے کر اختتام تک اپنے بیش بہا مشوروں سے مستفید فرمایا۔ موصوف نے مجھے قدم قدم پر تحقیق کے ظلمات میں لغزشوں کا شکار ہونے اور ٹھوکر کھا کر گرنے سے بچایا اور دستگیری فرمائی۔

مقالے اور ریسرچ کو پورا کرنے میں مجھے رضا لائبریری، رام پور اور خدابخش پبلک لائبریری، پٹنہ کے اراکین بالخصوص لائبریرین صاحبان سے بھی بڑی مدد ملی۔ لہٰذا ان کارکنوں اور منتظمین کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے مطالعہ کے دوران مجھے ہر ممکن سہولیات فراہم کیں۔ علاوہ ازیں اس تحقیقی مرحلے کو سر کرنے میں ایسے بھی کرم فرماؤں کی ہمدردیاں میرے شریک رہیں جن کا نام بنام اور فرداً فرداً اس مختصر و محدود قرطاس و وقت میں شکریہ ادا کرنا محال ہے۔ ان کا بھی شکر گذار ہوں۔

اس موجودہ دور میں جبکہ قومی یک جہتی کی تحریک ہمارے ملک میں پورے شباب پر ہے اور پورا ملک اس تحریک کو پروان چڑھانے میں بخوبی سر جوڑ کر غور کر رہا ہے ایسے موقع پر اس مقالے اور تحقیقی کام کو پیش کرنا میری خوش نصیبی ہے اور میرا یہ مقالہ اس تحریک کو آگے بڑھانے میں سونے پر سہاگے کے مصداق ہوگا اور پورے ملک کو شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کر قومی یک جہتی کی راہ میں چلنے میں مشعلِ راہ کا کام دے گا۔

خادم

ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا

پیش لفظ (۲)

کتاب ہذا "نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان"
میرے پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے۔ جس پر لکھنؤ یونیورسٹی نے ۱۹۷۳ء میں
ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی تھی اور جو کتاب کی شکل میں ۱۹۷۹ء میں پہلی بار
شائع ہوا تھا۔ اب کتاب کا دوسرا اڈیشن منظر عام پر آرہا ہے۔ پہلے اڈیشن میں
مقام اور زمانہ دونوں کا احاطہ کر لیا گیا تھا۔ اور اسمیں نوابی عہد کے اودھ
کے ہندو فارسی دانوں کا تذکرہ تھا۔ جو ۱۸۵۶ء تک یعنی اودھ حکومت کے
انتزاع تک ہی محدود تھا۔ پہلے اڈیشن میں کتابت وغیرہ کی بہت سی خامیاں
رہیں پھر بھی کتاب کی افادیت کو سراہا گیا تھا۔ اور لوگوں کا اصرار تھا کہ اس
موضوع کو ۱۸۵۶ء تک ہی محدود نہ رکھ کر موجودہ دور تک لے آیا جائے
تاکہ یہ مقالہ ایک مکمل اور جامع کتاب کی شکل میں آ جائے۔ نیز یہ ڈر بھی
جاتا رہے کہ ان حضرات کے حالات اور کارنامے تیزی کے ساتھ ضائع ہوتے
جارہے ہیں ان کو محفوظ کر لیا جائے۔

پہلے اڈیشن میں تقریبا ۹۲ شاعروں اور ۲۱ نثر نگاروں کے حالات
اور انکی تصنیفات کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس دوسرے اڈیشن میں تقریبا ۲۷ مزید
ادیبوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان سب کے باوجود بھی موضوع اور کتاب کے
جامع ہونے کا دعوی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ریسرچ کا کام ہی کچھ ایسا ہے کہ ہمیشہ
کچھ نہ کچھ نیا مواد ملتا رہتا ہے۔ اور محقق کو ہمیشہ یہ تشنگی محسوس ہوتی رہتی

ہے کہ "ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور ہے ساقی" اس کتاب کو زیادہ مفید اور بہتر بنانے کے سلسلے میں اردو ادب کے مشہور شاعر جناب حیرت صاحب ناز نانجوری نے میری جسقدر مدد کی ہے اسکے احسان کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

باب ششم اس نئے ایڈیشن میں اضافہ ہے جسمیں مندرج ذیل شعراء ادبا کے تذکرے ہیں۔ ان تذکروں میں ان کے حالات زندگی اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ہر ایک کے چند اشعار بطور نمونہ دیے گئے ہیں۔

احقر ۔ رادھے شام رستوگی
برہمن ۔ پنڈت شمبھو ناتھ ٹہل
ثمر ۔ اودھ بہاری لال،
شہرت ۔ لالہ کنج بہاری
سرمدی ۔ رائے منشی دھر
سرشار ۔ پنڈت رتن ناتھ
شیدا ۔ پنڈت امر ناتھ
شوکت ۔ پنڈت دیبی پرشاد
صاحب رام
صدق ۔ لالہ بیج ناتھ
گلشن ۔ رائے گلاب رائے
موجد ۔ موجی رام
بیتاب ۔ منگلی پرشاد۔
انور ۔ مول چند عرف بالو لال

اخلاص ۔ کالی پرشاد
بیخود ۔ پنڈت درگا پرشاد مشر
جگت ۔ پنڈت جگت نرائن کچھان
خوشتر ۔ منشی کھادن لال
سرور ۔ پنڈت بخشی رام
سرشار ۔ پنڈت ہیرا لال
شہید ۔ پنڈت بھیم ناتھ
صبر ۔ پنڈت کشن ناتھ
گلشن ۔ راجہ جیا لال
ذوق ۔ کنج بہاری لال
ذائق ۔ مکھن لال
ہند ۔ شیو سنگھ
نادری ۔ منشی بہاری لال۔
گمراہ ۔ منشی موہن

عاجز - رائے پورن
جوہر - رائے شنکر سہائے
محفوظ - لچھمی نرائن

شوق - منشی دولت رائے
ناز - جیونت سہونت

کتاب کے بارے میں جو حضرات اپنی رائے سے مجھے نوازیں گے اور اپنے مشوروں سے معلومات میں مزید اضافہ کرینگے انکا میں تہ دل سے شکر گذار ہوں گا۔

نریندر بہادر سریواستوا
۱۰ / اگست سنہ ۱۹۸۳ء

باب اول

ہندوؤں کا فارسی نظم و انشا پردازی کے ارتقاء میں حصہ

قدیم زمانے سے ہی ہندوستان کا ایران اور عرب ملکوں سے تجارتی اور ثقافتی تعلق تھا۔ تیسری صدی ہجری میں صفاری قبیلہ نے صوبہ سندھ میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ یہ ہندوستان کی سرزمین پر فارسی بولنے والی قوم تھی جو ہندوستان میں آباد ہوئی۔ اس ملک میں مسلم سلطنت کے قیام سے قبل ہندوستانی راجا اور امراء افغانستان اور ایران کے رؤسا وغیرہ سے فارسی میں ہی مراسلت کیا کرتے تھے

تیرھویں صدی سے پندرھویں تک میں مسلمانوں کے ہندوستان پر جو حملے ہوتے رہے ان کا کوئی خاص اثر ظاہر نہیں ہوا کیونکہ ان حملوں کا مقصد صرف حربی راستوں کا پتہ لگانا تھا۔ بائیسویں ہجری میں عربوں نے ایران فتح کر لیا تھا اور انیسویں صدی میں عربوں نے باقاعدہ طور پر ہندوستان پر حملے شروع کر دیئے تھے

ﻪ ایلیٹ جلد اول صہ ۲۹ بحوالہ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ

پینسٹھویں ہجری (۷۱۲ء) کا حملہ بہت ہی کامیاب رہا اور اس حملے کی تاریخ میں کافی اہمیت ہے محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنی حکومت قائم کی اور اس کے بعد ہی سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی مغلوں نے ہندوستان میں عظیم سلطنت قائم کی۔ ان کی سلطنت تقریباً ۱۳۳۱ سال تک رہی۔ سلاطین دلی نے ہندوستان کے دوسرے سبھی حکمرانوں کے مقابلے میں زیادہ حکومت کی۔ اس لمبے عرصہ میں بھارت پر مسلم تہذیب کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ ڈاکٹر ستیا رمیّہ فرماتے ہیں کہ:[1]

"مسلمانوں نے ہمارے کلچر کو مالا مال کیا ہے اور ہماری نظم و نسق کو مستحکم و مضبوط بنایا نیز وہ ملک کے دور دراز حصوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کامیاب ہوئے اور اس ملک کے ادب اور اجتماعی زندگی میں ان کی چھاپ بہت گہری دکھائی دیتی ہے"۔

ہندوستان کی سرزمین پر مسلمان عرب سے حملہ آور کی شکل میں آئے لیکن ہندو تہذیب سے عملی طور پر محبت بھرے انداز میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے محمود غزنوی جیسا حملہ آور ہندوستان سے واپسی کے وقت سو عالموں فاضلوں اور فن کاروں کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ البیرونی بھی انکے ہمراہ واپس گیا البیرونی نے اپنی پوری زندگی سنسکرت اور دیگر ہندو علوم و فنون کے حاصل کرنے اور مطالعہ کرنے میں گذاری تھی اسکے دربار میں ہندو ممتاز عہدوں پر فائز تھے جنکے نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں اس باہمی میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شعراء اور بھارتیہ شعراء نے متفقہ حیثیت سے ایک دوسرے کی زبان کے الفاظ بخوشی استعمال کیے۔

---

[1] خطبۂ صدارت انڈین نیشنل کانگریس جے پور ص؟ بحوالہ ہندوستانی مسلمان ص۲۸ - سید ابوالحسن علی ندوی

دلی سلطنت کے حکمرانوں، وظیفہ خواروں، شہزادوں اور عوام نے بھی غزنوی اور غوری سلطنت کے نقش قدم کو اپنایا۔ **قطب الدین ایبک** (۱۲۰۶تا ۱۲۱۰) علماء و ادبا کا مربّی اور سرپرست تھا۔ اس کی انتہائی فیاضی نے اس کو **لک بخش** کے نام سے موسوم کر دیا تھا۔ اس کے دربار میں بہاء الدین اوشی جمال الدین محمدؒ، قاضی حمید الدین جیسے علماء موجود تھے قطب الدین ایبک کی خواہش پر ہی "تاج المآثر" جیسی اہم تاریخ لکھی گئی تھی اس کا مولف حسن نظامی نیشاپوری تھا۔[۱]

التمش نے بھی تقریباً ویسی ہی طبیعت پائی تھی اگر چہ وہ عالموں اور ادیبوں کے بارے میں اتنا فراخ دل نہ تھا پھر بھی اس کے دربار میں صف اول کے شاعر اور مصنف معمور رہے ہیں۔ خواجہ ابو ناصر، ابو بکر بن محمدؒ، روحانی سمرقندی تاج الدین دبیرؒ، اور نور الدین محمد عوفی جیسے علماء دربار سے وابستہ تھے۔ محمد عوفی لباب الالباب، جوامع الحکایات اور لوامع روایت کا مصنف تھا۔ التمش کے بعد کے لوگوں کا عہد طوفانی رہا۔ سیاسی حالت میں استحکام نہیں تھا۔ لیکن یہ بات کافی مشہور ہے کہ ناصر الدین محمد شاہ (۱۲۴۵ء ۔ ۱۲۶۵ء) کا دربار بھی شعراء علماء اور ادباء سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ بھی انعام و اکرام سے ان کی پرورش کرتا تھا اور علماء کو نوازتا تھا۔[۲] شاہ فخر الدین تنکی جس کا تخلص عامو تھا اور مشہور مورّخ منہاج الدین سراؔج جس نے التمش کے وقت میں ملازمت کی تھی ناصر الدین محمد کے عہد تک رہا۔ اس نے مشہور کتاب طبقات ناصری (جو ابتدا سے ۱۲۶۱ء تک کی تاریخ ہے) تالیف کی۔

۱۔ بزم مملوکیہ، سید صباح الدین عبد الرحمان ص ۹

۲۔ طبقات ناصری ص ۱۴۳ (در حق ہمگنان انعام و اکرام فرمودہ)

غیاث الدین بلبن کا دربار بھی اسلامیات کا مرکز تھا اس کی دور دراز کے ملکوں میں شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ منگولوں کی تاراجی نے مسلم عالموں اور شاعروں کو بھارت میں آکر پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا ان لوگوں کے آنے پر بلبن نے اپنے دربار میں ان کو موقر جگہیں دیں۔ اس کے عہد میں دلّی ادب کا ایک اچھا خاصہ مرکز بن گیا تھا اس کا عہد فارسی ادب کی تاریخ میں ایک نئی صبح تھی۔ اس نے اپنے ہندو امراء کو بھی خطابات[۱] سے سرفراز کیا تھا

بلبن کے بڑے لڑکے محمود جس کو خان شہید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ بھی علم دوست اور علما و ادبا کا سرپرست اور مربّی تھا اس کا دربار عالموں سے بھرا تھا مشہور مورخ ضیاالدین برّنی اس کے دربار میں سترہ سال تک رہے اور آخری عمر میں "ثنائے محمدی" اور "حیرت نامہ" لکھا "تاریخ فیروز شاہی" اور "فتوحات جہانداری" اس کی مشہور تاریخی کتابیں ہیں محمد تغلق کے دربار کا مشہور عالم اور شاعر بدرالدین چاچ تھا مورخ عامی بھی اسی زمانے کا مشہور عالم تھا۔ "فتح السلاطین" اس کی مشہور تاریخی کتاب ہے جس میں غزنویہ دور سے لے کر ۱۲۵۰ء تک کے حالات ہیں اس کے والدین دلّی کے امرا میں سے تھے اس لیے اس کی معلومات پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

فیروز تغلق کے عہد میں ۳۶ لاکھ روپیہ سالانہ علماء اور شعرا پر خرچ ہوتا تھا۔ وہ تاریخ کا شائق تھا اس کے دربار میں علماء کی معتد بہ تعداد تھی شمس سراج عفیف سب سے زیادہ معزز و نامور تھا عفیف نے تاریخ فیروز شاہی پانچ جلدوں میں تیار کی اسوقت کی ایک دوسری مشہور تاریخ "سیرت فیروز شاہی" ہے اس

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ مولانا ضیاء الدین برنی صہ ۳ (والیان وراجگان و مقدمان آندۂ درگاہ را خلعتِ پوشش کنا نیدندی)

میں عفیف نے اپنا نام نہیں دیا۔ اس کے باوجود قیاس آرائیاں ۔۔۔ ہیں کہ وہ تغلق دربار سے ضرور وابستہ تھا محمد خان یحییٰ سرہندی اسی دور کے مورخین ہیں، فیروز شاہ تغلق ہندی کے مشہور شاعر شیکھر کا بڑا احترام کرتا تھا۔[1]

گجرات بھی اس زمانے میں علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا فیض اللہ زین العابدین کو "صدر جہاں" کا خطاب ملا تھا اس نے بھی تواریخ کی ایک کتاب لکھی ہے۔ بیجاپور میں محمد ریاض نے ایک کتاب "مفتاح السرور عادل" لکھی ہے جو علم جنسیات اور عورتوں کی خصوصیات پر ہے۔

سید اور لودیوں کا زمانہ بھی ادبی سرگرمیوں سے خالی نہ تھا سکندر عالم تو تھا مگر اچھا شاعر نہ تھا اس کے دور کے مشہور عالم رفیع الدین شیرازی کا نام قابل ذکر ہے سکندر لودی کے زمانے کا مشہور شاعر شیخ جمال الدین دہلوی تھا یہ اچھا شاعر ہی نہ تھا بلکہ سیاح بھی تھا ایران کے شاعر جامی سے اسکے تعلقات تھے وہ "سیار العارفین" اور "مہر وماہ" کا مصنف تھا سکندر لودی کے زمانے میں ہندوؤں کا عام رجحان فارسی کی زبان کی تحصیل کی طرف ہوا۔[2]

چودھویں صدی عیسوی میں سنسکرت کتب کا ترجمہ فارسی میں عزیز الدین، اور خالد کرمانی نے کیا موسیقی اور سنسکرت کی کتاب کا ترجمہ تھا منیشور کے عبدالعزیز شمس نے کیا یہ تغلق کا زمانہ تھا اس تغلقی دور میں ہندی کی پہلی مثنوی لکھی گئی۔

علم نجوم، علم طب، موسیقی اور سنسکرت فلسفہ وغیرہ کتابوں کا ترجمہ فارسی زبان میں ہوا سنسکرت کی کتابیں اس کو مندروں سے دستیاب ہوئی تھیں اسطرح دیکھا جاسکتا ہے کہ سلاطین دہلی نے (۲۰۶) جنھوں نے

---

[1] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے، سید صباح الدین عبدالرحمٰن صہ ۶۱

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول صہ ۱۸۷ او کافران بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ آنزمان درمیان ایشان مجمول نبود پرداختند، [3] تاریخ فرشتہ جلد دوم۔ اردو ترجمہ طالب صہ ۵۲

قریب سوا تین سو سال تک حکومت کی، ان لوگوں نے سیاسی الجھنوں کے باوجود علم وادب کی ترقی میں کشادہ دلی سے حصہ لیا۔ اس طرح ملک میں علمی وادبی ماحول پیدا کر دیا۔ اس کے دورِ مغلیہ کا آغاز ہوتا ہے اب ہم مغلیہ دور کا جائزہ لیں گے اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسکے ابتدائی دور میں۔ یعنی سلطان سکندر کے زمانے میں ہندوستان کو فارسی زبان سیکھنے کا اور اس میں انشاء پردازی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

دورِ اکبری

از سنہ ۹۶۳ھ تا سنہ ۱۰۱۴ھ المطابق سنہ ۱۵۵۶ء تا سنہ ۱۶۰۵ء عیسوی

اکبر بادشاہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں حکومت اسی وقت مستقل و مستحکم ہو سکتی ہے جب وہ راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے "ماثر الامرا" کے مصنف کا بیان ہے کہ "ایران کے صفوی بادشاہ نے ہمایوں کو مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان میں مستحکم حکومت اسوقت قائم ہو سکتی ہے جب وہاں کا حاکم افغانوں کو تجارت اور دوسرے پرامن مشاغل میں لگادے، اور راجپوتوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھے۔"[1] ہمایوں نے دوبارہ تختِ سلطنت پر بیٹھنے کے بعد زیادہ عمر نہ پائی اسلئے اس خیال کو علمی جامہ پہنانے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن اکبر نے اس خیال کو عملی شکل دی۔ "اکبر نے راجپوت سرداروں سے کہا کہ وہ اپنی بیٹیاں شاہی خاندان میں اور شاہی خاندان کی بیٹیاں اپنے یہاں لیں لیکن اکبر کا یہ نہایت پرخلوص مشورہ راجپوتوں کے گلے پورا نہیں اترا۔"[2] اکبر کی حکمتِ علمی کیلئے تین اصول وضع کیے تھے جنکو اصولِ ثلثہ کہتے ہیں، اول: عام رواداری، دوم: تعلیم عوام، سوم: علوم و فنون خصوصاً ہندو علوم و فنون کی قدر افزائی۔

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۱۱ [2] سنسکرت کے چار ادھیا صفحہ ۲۶۲ رام دھاری سنگھ دنکر

اکبر کا طبیعی میلان تصوّف کی طرف تھا مسلمان صوفیوں سے اسے بیحد عقیدت تھی اس سلسلہ میں ہندو جوگیوں سے بھی انس و ارادت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ہندوؤں پر سے جزیہ منسوخ کر دیا۔ راجپوتوں سے شادی کے تعلقات قائم کر کے انھیں دربار سے زیادہ قریب کر لیا ہندوؤں کو اس نے اعلیٰ مناسب عہدے دیے۔ مذہبی معاملوں میں وہ بہت آزاد خیال تھا اس کے عبادت خانے میں مختلف مذہب کے لوگ جمع ہوتے تھے جن میں ہندو علماء بھی ہمیشہ شریک ہوتے تھے وید کے منتر وغیرہ کبھی پڑھتے تھے زندگی کے آخری دور میں اسکا رجحان ہندوئیت کی طرف اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بعض اوقات بے انصافیاں کر جاتا تھا[1]

اس نے ہندو علوم و علماء و فضلاء کی بڑی حد تک قدر دانی کی۔ برابر انعام و اکرام سے سرفراز کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ اکبر کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلم امراء بھی ہندو ارباب علم و فن پر نوازشیں کرنے لگے۔ عبدالرحیم خانخاناں نے اس زمانے کے مشہور ہندی شاعر رام داس کلاونت کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا تھا اگرچہ فیروز تغلق اس طرح کی فیاضیوں میں کم نہ تھا لیکن اکبر کا زمانہ نسبتاً بہترین زمانہ مانا جاتا ہے[2]۔

اس قسم کی فیاضیوں کا اثر یہ ہوا کہ اس زمانے میں ہر قسم کے علوم و فنون کی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ فارسی جو رو بہ انحطاط تھی اب پھر ترقی کرنے لگی۔ اکبر کا عہد فارسی ادب کی ترقی کا عہد تھا۔ اس کے زمانے میں فارسی کی بہترین کتابیں شائع ہوئیں۔

اکبر کے زمانے میں ہندی شاعری کو کافی ترقی حاصل ہوئی اکبر خود بھی ہندی میں ہی شعر کہتا تھا۔ اس کا ہندی تخلص اکبر رائے تھا رام چیز تر

---

[1] بدایونی۔ جلد دوم صد ۴۶

[2] ڈاکٹر ایشوری پرشاد[؟] پرموشن آف لرننگ صد ۱۷۱

مانس کا مصنف تلسی داس اکبری زمانے کا شاعر تھا۔ ایک بار اکبر نے اسے مدعو بھی کیا تھا مگر تلسی داس نے اکبر کی اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ اکبر نے اس کا کچھ اثر لیا نہ ہی برا مانا ہندی شاعروں کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اکبر سنسکرت ادب کا بڑا مداح تھا اس کے علاوہ ہندوؤں کے دوسرے علوم شاعری، ریاضی، فلسفہ، ویدک الجبرا وغیرہ کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔

عام تعلیم کا اصول: ابھی تک جتنے بادشاہ گذرے ہیں کسی نے تعلیم کو عام بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس عہد تک تعلیم چند خوشحال اور صاحب اثر لوگوں تک محدود تھی لیکن اکبر کے عہد میں تعلیم کو عام بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اکبر عام تعلیم کو رائج کرنے والوں کا امام سمجھا جاتا ہے اس کے زمانے میں عام اسکول کا بھی رواج ہوا۔ اس کے زمانے میں مشترکہ اسکولوں کا افتتاح ہوا اور مختلف طلبا کے لیے نصاب تعلیم مقرر ہوا۔ چنانچہ ہندوؤں کے لیے بھی نصاب تعلیم مقرر کیا گیا۔ چنانچہ ابوالفضل لکھتا ہے کہ:-

ابوالفضل کا خیال: "اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست، مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی، تاریخ، مرتبہ ہندی بیاکرن بنائے بیدانت، پاتانجل بر خوانند و ہر کس را از بالست وقت در نگذارند۔"

جہانگیر میں بھی علمی ذوق موجود تھا۔ وہ خود بھی ایک اچھا نثر نگار تھا اس کا علمی شاہکار تزک جہانگیری۔ نام کی کتاب ہے۔ جو سادگی، صفائی، بے تکلفی بے ساختگی اور قادر الکلامی کے لحاظ سے بے مثل ہے وہ خود بھی شاعر تھا اس کی نکتہ سنج اور سخن شناس طبیعت شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتی تھی اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:-

---

(۱) آئین اکبری جلد اول ص ۲۰۲۔

"باید دانست کہ ہر یک از فرمانروایان سلسلۂ تیموری سخن فہم و آشنا بہ رموز سخن بودہ اند لیکن جہانگیر در این فن استاد و مہارتی بسزا داشت فطرۂ دی کہ محبت کیش بودہ از تحت دلی دردمند داشتہ است۔

اگرچہ آنرا در آئین و نظام سلطنت نمیگذاشت چندان ظاہر و نمایاں شود تا این حد کہ در تزوک ہر جا کہ ذکری از نور جہاں آمدہ است ہیچ معلوم نمی شود۔ این نام کہ از زبان خارج میشود آیا لذت بردہ خارج می شود۔ او معنا یک عشق و خمیر مایہ او بودہ است۔ نظر باینکہ شاگرد رشید فیضی بود چگونہ ممکن بود کہ کسی در شعر و سخن نکتہ داں ترازو باشد۔ شعر[1]

من چو کنم کہ تیر غمت بر جگر رسد | تا چشم نا رسیدہ دگر بر جگر رسد

:- رباعی :-

بر کس بضمیر خود صفا خواہد بود | آئینۂ خویش را جلا خواہد بود
ہرچہ شکستہ بود دستش گیر | بشکو کہ ہمین کاسہ صدا خواہد بود[2]

ہندوؤں کے ساتھ بھی اس کی رواداری اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس نے ہندوؤں کو اپنے عہد میں ذمہ دار عہدے دیے اور نہایت اہم مناسب ان کے سپرد کئے۔ رائے گھنشر رائے جہانگیری عہد میں دیوان کے منصب پر فائز تھے اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر نے سیاسی حکمت عملی کے نفاذ میں اکبر کی پوری پوری تقلید کی تھی۔

---

[1] شعرالعجم مترجم سید محمد تقی فخر داعی گیلانی - ۱۳۹ مطبوعہ طہران۔

[2] تزوک جہانگیری صفحہ ۶۸ مہر ماہ ۶ ۱۳۴۳-

جہانگیر اکثر ہندوؤں کی تقاریب میں بنفس نفیس شریک ہوتا تھا دیوالی کے تہوار پر باقاعدہ دربار منعقد کرتا تھا۔ شیو راتری کے موقع پر ہندو جوگیوں کو بلواتا تھا اور "سلونو" کے موقع پر اپنے ہاتھ پر ہندوؤں سے راکھی بندھواتا تھا۔[1] ایک بار ایک ہندو شاعر نے جہانگیر کے سامنے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو رات نہ ہوتی، کیوں کہ جب آفتاب چھپ جاتا تو اس کا بیٹا اس کے بجائے عالم افروزی کرتا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد کو خدا نے ایک ایسا بیٹا دیا کہ لوگوں نے ان کے انتقال کا کوئی غم نہ کیا۔ آفتاب کو رشک ہے۔ آپ کے طالع اور عدالت کے نور کے باعث سلطنت میں کہیں رات نہیں۔ جہانگیر اس اچھوتے خیال کو سن کر بہت خوش ہوا اور ایک ہاتھی انعام میں اس شاعر کو دیا۔[2] جہانگیر کے حکم سے فارسی میں ان اشعار کا ترجمہ کرایا گیا۔ جو یہ ہے۔

گر پسر داشتی جہانِ فروز	شب نہ گشتی ہمیشہ بودی روز
زانکہ چون او نہفتہ افروز	برنمودی کلاہ گوشۂ روز
شکر کز بعد آں چنان پدری	جانشیں گشت این چنیں پسری
کز تشنقار کشتن آن شاہ	کس بماتم نہ کرد جامہ سیاہ

جب خان عالم کو سفیر بنا کر ایران روانہ کیا گیا تو ان کے ساتھ بشن داس مصوّر کو بھی بھیجا گیا تاکہ شاہ عباس کی تصویر اتار لائے۔ بشن داس اس زمانے کا مشہور معروف مصوّر تھا۔ اس فن کو بھی جہانگیر کی قدر افزائی نے یقیناً ترقی دی ہوگی۔

اگرچہ شاہجہاں کا عہد تعمیری سرگرمیوں کا عہد کہلاتا ہے تاہم تعلیمی ترقی و علمی احیاء و ترویج میں بھی وہ اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا۔

---

[1] تزک جہانگیری، سر سید احمد خاں صہ۱۱۔ مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۶۴ء [2] ۔ برصہ ۲۸

اس کی حکومت کا زمانہ ہند میں سب سے زیادہ خوشحالی اور امن کا زمانہ تھا اس کے عہد میں مکاتب و مدارس کی کثرت، علوم و فنون کا عام ہونا اور علماء و فضلاء کا عظیم اجتماع اس بات کو صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اس علمی کوشش میں اس بیدار مغز بادشاہ کا بہت بڑا حصہ تھا "شاہجہاں نامہ" اور "عمل صالح" کی فہرست سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے عہد میں اور اس کے دربار میں "جہاپاتر" اور لعل رام داس جیسے بڑے ماہر موسیقی تھے۔ اس بادشاہ کے زمانے میں مسلمانوں میں علی العموم اور ہندوؤں میں بالخصوص انشاء شاعری، اور تاریخ کو جو ترقی نصیب ہوئی ہے وہ اس کی علم دوستی کی بہت بڑی دلیل ہے۔

دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا اسکی طبیعت تصوف کی طرف مائل تھی وہ عربی فارسی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت کا بہت بڑا عالم تھا عمر کے آخری حصے میں دارا کی طبیعت میں ویدانت کی تعلیم سے رغبت ہو گئی۔ باپ کے عہد حکومت میں جب اسے بنارس کا گورنر بنایا گیا تو اس نے بڑے بڑے عالم فاضل برہمنوں کو ویدوں کے ترجمے کیلئے بلایا۔ اسکے ذہن پر ہندو علوم کا گہرا اثر موجود تھا اپنشد کو وحدانیت اور سر الٰہی کا منبع خیال کرتا تھا۔ اسکی انگشتری پر پربھو کا نام کندہ تھا۔ وہ ملا شاہ بدخشی کا مرید باصفا تھا اور اُنکی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس نے "سکینۃ الاولیاء" کے نام سے اولیاء و اصفیاء پر ایک ضخیم تذکرہ کی کتاب لکھی ہے اس کے علاوہ اسنے ہندی علوم کی چند کتابوں کے ترجمے فارسی زبان میں کرائے۔ اپنشد کا ترجمہ "سر اکبر" یا "سر الاسرار" کے نام سے بہت مشہور ہے دارا کی ایک کتاب "مجمع البحرین" ہے جو ہندو اور اسلامی فلسفہ کے مشترک مضامین پر مبنی ہے

سلہ:۔ دارا شکوہ کا یہ حال تھا کہ وہ علانیہ ہندویت کا۔۔۔ بقیہ صہ ۲۹ پر۔

بقیہ صہ ۲۷ سے آگے ۔۔۔ تزک جہانگیری صہ ۱۸۶۔ سرسید احمد خاں۔

اسلامی فلسفہ کے مشترک مضامین پر مبنی ہیں اس مضمون پر بے مثل کتاب ہے[۱]
دارا شکوہ کو ہندو علماء اور نثر نگاروں سے بے پناہ لگاؤ وانس تھا اور وہ انکی حوصلہ افزائی دل کھول کر کرتا تھا فارسی کا شاعر و مصنف چندر بھان برہمن ایک عرصہ دراز تک دارا کا منشی رہا شاہجہاں کے بعد اورنگ تخت نشین ہوا وہ ایک متعصب بادشاہ تھا جسنے ہندو رعایا کو اذیت پہچانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔
اورنگ زیب کی سیاسی حکمت عملی کیسی بھی ہو ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم یہاں صرف اسکی تعلیمی سرگرمیوں کو مد نظر رکھتے ہیں جو ہندوؤں کی ترقی و تنزلی پر بہت حد تک اثر انداز ہو سکتی تھی۔ ۱۰۸۲ھ میں اس نے فرمان جاری کیا کہ... ہندو عاملوں تعلقداروں، منشیوں نیز متصدقی کو برطرف کیا جائے اور انکی + ... اس فرمان کی ضرورت صرف اس لیے محسوس ہوئی تھی کہ شعبۂ مالیات کے اکثر حکام جو ہندو کایستھ تھے رشوت ستانی کے عادی ہو گئے تھے۔
بادشاہ نے انتظام کی اس بے قاعدگی کو دور کرنے کیلئے بڑا سخت قدم اٹھایا تھا یہ طریقہ خرابیوں کی اصلاح کیلئے اپنایا گیا تھا جسکی وجہ سے سینکڑوں معمولی متصدی ملازمتوں سے علیحدہ کر دیے گئے تھے۔ چونکہ ان مظلوموں اور

+ : اور انکی جگہ دفاتر میں مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے۔

بقیہ صفحہ ۲۸ سے آگے... کا اظہار کرتا تھا۔ اپنشد کا جو ترجمہ ہے اسمیں صاف لکھتا ہے کہ... قرآن مجید اصل میں اپنشد ہے۔ اسکی عبارت حسب ذیل ہے۔

"ازین خلاصہ کتاب قدیم بلشک و شبہ اولین کتب سماوی و سرچشمۂ بحر توحید است و قدیم است کہ انہ القرآن الکریم فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین۔ یعنی قرآن کریم در کتاب است کہ آن کتاب پنہان است ادراک نمی کند مگر دلے کہ از مطہر باشد۔ و از نازل شاہ از پروردگار عالم مشخص و معلوم می شود کہ۔

[۱]: سرِّ اکبر مصنف دارا شکوہ۔ مطبوعہ طہران ص ۲۱۹

سزا یافتہ لوگوں میں ہندوؤں کی کثرت تھی اس لیے لوگوں نے اورنگ زیب کی اس سختی کو تعصب کا رنگ دے دیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ بادشاہ کا یہ اقدام ناکامیاب رہا۔ کیونکہ اس زمانے میں ہندوؤں نے سیاق اور انشاء ہمیں نیز دیگر امور دیوانی میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ بادشاہ کو اس حکم کو منسوخ کرنا پڑا۔ اور حکم دیا کہ... ان عہدوں پر ایک ہندو اور ایک مسلمان کی تقرری عمل میں لائی جائے۔[1]

ہندوؤں کی برطرفی کے فرمان کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ مولانا شبلی نے وقائع عالمگیری میں ایک ایسی فہرست دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانے میں ہندو ملازمین حکومت میں بکثرت تھے اور اعلیٰ عہدوں اور منصبوں پر فائز تھے۔ اس زمانے میں اور آگے چل کر ہندوؤں نے پہلے سے بھی زیادہ فارسی کی طرف توجہ کی۔

یہ حقیقت ہے کہ اورنگ زیب ہندوؤں کے خاص علوم و فنون کا دلدادہ تھا لیکن ہندی کے ہندو شعراء دربار کی اعانت اور سرپرستی سے قطعاً محروم نہیں رہے ہندی کے مشہور رزمیہ شاعر بھوشن کومی کا بھائی چنتامن کوی اورنگ زیب کے سایہ عاطفت میں بڑھا۔ اس کے توسل سے بھوشن بھی مغل دربار سے وابستگی قائم کرنے کی خاطر دہلی پہنچا۔ عام خیال ہے کہ ہندوؤں کے علوم اور زبان سے عالمگیر سخت نفرت رکھتا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے بھاشا پر جس قدر توجہ اس کے زمانے میں کی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔[2]

عالمگیر کے دربار میں عبدالجلیل بلگرامی جیسے بھاشا کے بہت ہی ممتاز شاعر تھے۔ اس طرح ہندو درباریوں میں فارسی کے بہت سے قابل ندار

---

[1] معارف نمبر ۶ جلد ۳۹۔ [2] معارف نمبر ۶ جلد ۲۹۔

ادبار اور شعرا نیز مورخین موجود تھے جو شاہی فیاضیوں سے برابر فیضیاب ہوتے رہتے تھے داستق کھتری امرائے عالمگیری میں ایک وکیل تھے۔ ان کی فارسی نظم ونثر کی فارسی ادبار میں دھوم تھی۔

اس طرح رائے بندرا ابن نے لب التواریخ جیسی بلند پایہ تصنیف چھوڑی ہے۔ ایشور داس کی تصنیف فتوحاتِ عالمگیری ایک علمی یادگار ہے جس کا نام دلکشا ہے سوجان رائے کھتری اور خوشحال چند وغیرہ بھی اس دربار سے وابستہ تھے اور ان لوگوں کا بھی فارسی ادب کی خدمات میں بڑا اہم حصہ رہا ہے

اورنگ زیب کی وفات کے بعد محمد معظم ملقب بہ بہادر شاہ اول تختِ شاہی پر بیٹھا عالمگیر کے مرتے ہی مغل حکومت کا جو دبدبہ تھا وہ بالکل ختم ہوگیا اگرچہ اورنگ زیب کے دونوں بیٹے محمد اعظم اور محمد معظم ہوشیار مدبر تھے تاہم مغل سلطنت کا آفتاب زوال پذیر ہورہا تھا۔ محمد معظم شاہ ایک تعلیم یافتہ سلیم المزاج اور مہذب بادشاہ تھا۔ وہ عام طور پر مذاہب و ادیان کے رہنماؤں سے گفتگو میں مصروف رہا کرتا تھا۔ فلسفہ اور تصوف کی کتابوں کو شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ گرو گوبند کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتا تھا مرہٹوں اور راجپوتوں کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ صلح پسندانہ تھا۔ اگر قدرت نے اسے کچھ سال زندہ رہنے کا موقع دیا ہوتا تو شاید ہندوستان کی تاریخ کی کچھ اور ہی شکل ہوتی۔ محمد معظم نے ۱۱۲۴ھ میں عالم جاودانی کی راہ لی۔ ان مغل شہنشاہوں کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا مقصد ان کی عظمت اور شان وشوکت کا اظہار نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ مغل بادشاہ شعر وشاعری، علوم وفنون وغیرہ کے بڑے قدرداں تھے۔ وہ بڑے رواداد اور فیاض تھے انکی فیاضیوں

---

(۱)۔ تاریخ ارادت خانی، تاریخ شعر و ادبیات ایران جلد سوم علامہ شبلی نعمانی (فارسی ترجمہ مطبوعہ ایران) ص۳۰

کا شہرہ ایران اور عرب تک پہنچ چکا تھا چنانچہ مغل بادشاہوں کے زمانے میں
خصوصاً اکبر کے زمانے میں ایرانی شاعروں کا غول کا غول ہندوستان آ کر
دلی کے دربار میں جمع ہو گیا تھا انھیں ایرانی شاعروں میں سے اکثر ہندوستان
کے دوسرے مراکز کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ غرض کہ ان مغل بادشاہوں
نے علم و ادب کو خوب نوازا اور شاعروں اور مدبروں کو بلا تفریق مذہب و
ملّت اپنی فیاضیوں سے سیراب کیا۔ اس ماحول میں ہندوؤں نے فارسی
ادب کی جو خدمات کی ہیں ان کا بیان کیا جا رہا ہے جیسا کہ کئی بار ذکر کیا
جا چکا ہے... مغل بادشاہوں کے تمام دفاتر پر ہندو خاصکر کایستھ چھائے ہوئے
تھے وہ لوگ بڑے منشی ہوا کرتے تھے۔ انشا نویسی میں ان لوگوں نے کمال حاصل کیا
تھا۔ ان کی خدمات بھی ایرانی منشیوں کے مقابلے میں بہتر سمجھی جاتی تھیں اس لیے
ہندو منشیوں کی خدمات کرنے کا زیادہ موقع حاصل ہوتا تھا۔

عربی و فارسی میں نیز اس کے ادب وانشار میں ان کا مخصوص حصہ ہوتا
تھا اسلامی حکومتوں میں دارالانشاء کا ایک خاص محکمہ ہوتا تھا جس میں بڑے
قابل ادیبوں اور انشا پردازوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ عربی اور ایرانی سلاطین کے
درباروں میں اس محکمہ کی اور اس کے افسران کی ایک خاص سیاسی اہمیت
ہوا کرتی تھی جس کے نفوس بعض اوقات ملکوں اور سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ
کیا کرتے تھے اگرچہ سیاسی اور ملکی ضرورتوں نے اس فن کی بنیاد ڈالی تھی
لیکن فن انشا نے آگے چل کر ...... ادبی حیثیت
اختیار کر لی۔ چنانچہ بڑے بڑے انشا پردازوں نے اس پر بکثرت کتابیں لکھیں
جن میں اصلی مکاتیب یا ان کے نمونے درج ہیں اور مدت تک یہ کتابیں
درسیات میں داخل تھیں۔

فارسی زبان کے فن انشار میں ایران اور ہندوستان میں بکثرت مجموعے

تیار کیے گئے ہیں جن میں اکثر یہاں باقاعدہ طور پر درسگاہوں میں پڑھائے جاتے ہیں اس زمانے میں قاعدہ تھا کہ بڑے بڑے امراکے منشی اپنے ان خطوط اور کاغذات کو محفوظ رکھتے تھے جو اپنے اعلیٰ افسران کے نام سے مختلف لوگوں کو لکھتے تھے ان کو جمع کر کے ترتیب دیا جاتا تھا بعد ازاں شائع کیا جاتا تھا یہ انشا... زبان کے نقطۂ نظر کے علاوہ تاریخی اہمیت رکھتے تھے کیونکہ ان میں بیحد تاریخی مواد دمصالحہ موجود رہتا تھا۔

انشائے مادھورام [۱] ہندوؤں کی لکھی ہوئی انشا میں اس کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ منشی مادھورام تقریباً ۱۱۲۰ ہجری میں اورنگ زیب کے زمانے میں لطف اللہ خاں جو لاہور کے نائب صوبہ دار تھے، کے منشی تھے کچھ عرصہ تک وہ شہزادہ دارا شکوہ کی ملازمت میں رہے انشا کی کتابوں میں اس کتاب کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ اگرچہ اس کا انداز بیان نہایت ہی مشکل اور کرخت ہے ان کی عبارتوں میں سلاست اور روانی کہیں نہیں ملتی... جسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ہم قافیہ الفاظ مثلاً: مہام' زمام' البتام وغیرہ کی خاص رعایت رکھتے تھے اسکی عبارت سے ذخیرہ الفاظ اور فراوانی لغات کا پتہ لگتا ہے یہ گذشتہ صدی میں تمام ہندوستان میں داخل نصاب تھی۔ [۱]

نگارنامہ [۲] اسکے مصنف منشی ملک زادہ تھا۔ جن کا نام منشی لال چند تھا۔ یہ عہد شاہ جہاں میں بہت بڑے زبردست منشی خیال کیے جاتے تھے نگارنامہ کی دو جلدیں ہیں۔

ہفت انجم [۳] اسکے مصنف منشی اودھے راج رستم ہیں انکا بھی شمار اعلیٰ درجہ کے منشیوں میں ہوتا ہے اسکی کتاب میں سات باب ہیں۔ سب سے

[۱] ریویو جلد صفحہ ۹۵

زیادہ اہم وہ حصہ ہے جس میں مرزا راجہ جے سنگھ کے حالات لکھے ہیں پروفیسر سرکار نے اس کتاب کو مرہٹوں کی لڑائی اور مرزا راجہ جے سنگھ کے حالات کے لیے بہت مفید بتایا ہے منشی اودے راج سنگھ نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور طالع یار نام رکھا گیا تھا۔

انشائے ہرکرن

اس کتاب کے مصنف ہرکرن ولد متھرا داس کنبوہ ملتانی ہیں یہ کتاب بہت اہم خیال کی جاتی ہے اسکا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا تھا۔ انگریزوں کو جب فارسی کاروبار کی ضرورت محسوس ہوتی تو اس انشاء کو پیش نظر رکھتے تھے ؎۱

منشآت برہمن

یہ منشی چندر بھان برہمن کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً شاہجہانی امرائے دربار ہم عہدہ اصحاب نیز اپنے متعلقین کے نام مرقوم کیے یہ زیادہ تر لشکر خاں اور افضل خاں وزیر کل کی طرف نسبت کر کے لکھے گئے ہیں اسمیں چند خطوط اپنے بھائیوں، بیٹوں کو بھی لکھے ہیں۔ انھوں نے اپنے لڑکے تیج بھان کو فارسی میں کمال حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اسمیں شک نہیں کہ برہمن کے یہ خطوط تاریخی حیثیت سے قابل قدر نہیں ہیں البتہ فن انشاء کے نقطہ نگاہ سے قابل قدر مجموعہ ہے۔ انکا دیوان اور انشاء بہت ہی سادہ ہے ؎۲

دقائق الانشاء

(۱۲۳۶ھ) مصنف انیچور داس۔ یہ فن انشاء پر ایک جامع کتاب ہے جسمیں شعر کی بلاغت، عروض، انشاء کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنف نے ۱۹ معتبر کتابوں سے اسکے لکھنے میں مدد لی تھی۔

۱۔ طرز انشاء ۱۱۳۰ھ مصنف اندرجیت مختصر

۲۔ گلدستہ فیض، مصنف تھوری مل تسکین

؎۱ ریویو صفحہ ۵۳، ؎۲ تذکرہ حسینی قلمی صفحہ ۵۴، ؎۳ انڈیا آفس کیٹلاگ فارسی مخطوطات صفحہ ۱۱۶۴

۹۔ رقعات: رائے چھبیلے رام[1]

۱۰۔ انشاء دین دیال: مصنف دین دیال فتح پوری

۱۱۔ گلشن عجائب۔ مصنف رائے سکھ منشی

۱۲۔ مسودات کیول رام

۱۳۔ رقعات صاحب رام

۱۴۔ غریب الانشاء: مصنف کشن سنگھ نشاط

۱۵۔ رقعات مخلص (۱۱۶۴ھ)

۱۶۔ نیاز نامہ: مصنف سوجان رائے

۱۷۔ گلشن بہار: مصنف جسونت رائے

۱۸۔ صفات کائنات: مصنف پیال کوٹی مل وارستہ

۱۹۔ طلسمات خیال: مصنف نولکشور نزاکت

۲۰۔ بہار معنی: مصنف اندرجیت

۲۱۔ رقعات منشی لکشمی نرائن

۲۲۔ خلاصۃ الانشاء: مصنف لچھمی رام دہلوی

۲۳۔ منتخب الحقائق: مصنف امیر چند منشی

۲۴۔ شمع شبستان: (۱۲۱۲ھ) درگا پرساد عاشق

۲۵۔ تضمین گلستان: ہرگوپال تفتہ نے اپنے بیٹے پیتمبر کی یاد میں لکھی

۲۶۔ انشاء دلپذیر: شیتل داس تیلیٹھی اس کتاب کے آٹھ باب ہیں

۲۷۔ منشیات منگولال: منگولال بریلی کے باشندہ تھے۔

۲۸۔ خیالات شیدا: پنڈت امرناتھ شیدا۔ اسمیں فلسفیانہ مسائل پر بحث ہے۔

۲۹۔ انشاء فیض پیرا: مصنف منشی ہر سہائے قانونگو

[1] صفحہ ۔۔۔ دیکھیں

۳۱۔ خیالات بیخودی:۔ مضامین کا مجموعہ شیتل سنگھ بیخود

۳۲۔ گنجینۂ خیال:۔ منشی خیالی رام خیالی۔ یہ واجد علی شاہ کے یہاں ملازم تھے ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً ستّو ہے [1]۔

۳۳۔ رقعاتِ نظامیہ:۔ منشی لکشمی داس بن نرائن داس

۳۴۔ خیاباتِ نادر:۔ منشی ہر نرائن دہلوی

۳۵۔ مرصّع خورشید:۔ سدا سکھ کشن پرساد

۳۶۔ دستور الصبیان } منشی نوندھ رائے کی یہ کتاب بہت مشہور ہے

۳۷۔ دستور المکتوبات } اور عرصہ تک درسیات میں شامل رہی ہے۔

۳۸۔ انشائے دولت رائے:۔ منشی دولت رائے

۳۹۔ منشیات ہیرا لال۔ المعروف بہ انشائے لطیف۔

۴۰۔ انشائے بے نقاط:۔ کاکا پرساد ناداں

انشاء کی طرح ہندو ارباب قلم نے فارسی زبان میں بکثرت کتب تواریخ تصنیف کی ہیں جو ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کے مطالعہ کیلئے بہت اسا مواد فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا ہم ان تواریخ کا ذکر کریں گے جو مغلیہ دور سے لیکر دور انگلشیہ تک کافی معلومات بہم پہنچاتی ہیں ان میں درج ذیل کتب زیادہ اہم ہیں۔

(۱) چہار چمن [2]:۔ مصنف چندر بھان۔ اگرچہ یہ ایک قسم کی انشاء ہے لیکن تاریخی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار نے شاہجہاں کی تاریخ لکھنے میں اس سے بہت مدد لی ہے۔

(۲) شاہجہاں نامہ [3]:۔ مصنف بھگوت داس۔ یہ رسالہ شاہجہاں کے عہد میں لکھا گیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے۔

---

[1] اودھ اخبار [illegible] ۱۲۶۲ [illegible] ۱۲۹۵ [illegible]

(٣) لب التواریخ: اسکے مصنف بندرابن ولد رائے بہادر مل تھے۔ یہ شاہجہاں کے وقت میں دیوان کے عہدے تک پہنچ گئے۔ لب التواریخ ہندوستان کی عام تاریخ ہے اس کے دس باب ہیں یہ سب سے پہلی ہندوستانی تاریخ ہے جو ایک ہندو کے قلم سے لکھی گئی ہے میجر اسکاٹ نے تاریخ دکن کو ترتیب دینے میں اس تاریخ سے بہت مدد لی ہے ایلیٹ اور ڈاوسن نے بھی اسکے بعض اقتباسات اپنی تاریخ ہند میں شامل کیے ہیں۔

مصنف کا انداز تحریر بہت سادہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان پر مصنف کو خوب قدرت حاصل تھی۔

(۴) خلاصۃ التواریخ: مصنف سجان رائے بٹالوی تھے ان کی زندگی کے حالات مکمل طور سے دستیاب نہیں ہوتے اتنا ضرور پتہ لگتا ہے کہ وہ بٹالے میں پیدا ہوئے تھے کابل کا سفر کیا، ٹھٹھ اور شبجور کی سیاحت کی۔ خاندانی پیشہ منشی گیری تھا۔ انھوں نے دو کتابیں لکھی ہیں۔

(ا) خلاصۃ التواریخ (ب) خلاصۃ المکاتیب

خلاصۃ التواریخ کو ہی وہ شرف حاصل ہے کہ اس پر مشرق و مغرب کے بہت سے عالموں نے اپنی توجہ مبذول کی۔ اور اسکی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

(۵) تاریخ دل کشا: مصنف بھیم سین ولد رگھونندن داس۔ مقام برہان پور تھا یہ دلپت رائے بندیلا کے یہاں ملازم تھے۔ دکن کی لڑائیوں میں برابر حصہ لیا۔ محمد اعظم اور محمد معظم کی جنگ میں اول الذکر کے حامی تھے اس کتاب کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ یہ عینی مشاہدوں پر مبنی ہے دلکشا کا طرز بیان سادہ سلیس اور عام فہم ہے جے اسکاٹ نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

---

[1] ریو جلد ۱ صفحہ ۲۲۸ و ایلیٹ جلد ۷ صفحہ ۱۲۸ [2] ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ [3] مصنفہ ڈاکٹر عبد اللہ صفحہ ۱۱

(۶) تاریخ کشمیر:۔ نرائن کول اس کتاب کے مصنف تھے یہ کتاب دراصل راج ترنگی کا ترجمہ ہے اس بنا پر اسمیں ترجمے کے تمام نقائص پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب صوبہ دار کشمیر عارف خاں کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اس کتاب میں کشمیر کے حالات کو دلچسپ اور مختصر کہانی کے رنگ میں مرتب کیا گیا ہے۔

(۷) تاریخ محمد شاہی:۔ (۱۱۵۴ھ) مصنف خوشحال چند کائستھ عرف نادر الزمانی تھے مصنف کے والد کا نام منشی جیون رام تھا اورنگ زیب اور بہادر شاہ کے زمانے میں ذمہ دار عہدوں پر رہے اور .... محمد شاہ کے عہد میں دیوانی کے دفتر میں منشی تھے اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصّہ کا نام مجموعۃ الاخبار ہے دوسرے حصّہ کا نام زبدۃ الاخبار ہے یہ کتاب دنیا کی عام تاریخ ہے جسمیں ہندوؤں کی تاریخ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے کتاب کافی ضخیم ہے تاریخی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم نہیں ہے تاہم اسمیں شک نہیں ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں بہت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں [۱]

(۸) شاہنامہ منور کلام:۔ (۱۱۳۲ھ) مصنف شیو داس فرخ سیر اور محمد شاہ کے ابتدائی زمانے کی تاریخ ہے نظام الملک کی وزارت کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے [۲]

(۹) تذکرۃ الامراء (۱۱۴۰ھ) مصنف کیول رام۔ اکبر سے لے کر عالمگیر تک جتنے بھی امراء مغلوں کے دربار میں ہوئے انکا تذکرہ ہے ہندو امراء کا بیان علیحدہ ہے اور مختصر ہے۔

(۱۰) سعید نامہ (۱۱۳۵ھ) منشی جھونت رائے۔ یہ سعد اللہ خاں والی کرناٹک کی تاریخ ہے جو تین دفتروں پر مشتمل ہے اس میں ۱۱۳۵ھ تک کے حالات درج ہیں [۳]

۱؎: ایلیٹ جلد ۸ صفحہ ... ۲؎: ریو جلد ۱ صفحہ ... ۳؎: ریو جلد ۱ صفحہ ۲۶۹

(۱۱) تحفۃ الہند:۔ (۱۱۴۸ھ) مصنف لال رام۔ ہندوستان کی تاریخ ہے فرخ سیر کے عہد تک کے حالات درج ہیں۔ شاہ ایران کے حالات بھی مختصر طور پر درج ہیں۔

(۱۲) گلشن اسرار:۔ (۱۱۲۵ھ) میں لکھی گئی اسکے مصنف سکتیہ ترائن ولد جیون رائے تھے یہ کھتری تھے اس کتاب میں ہندوؤں کی تاریخ محققانہ طور پر لکھی ہے "رامائن" "مہابھارت" "بھگوت گیتا" کو ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ چار باب میں منقسم ہے۔

(۱۳) چہار گلشن (۱۱۷۳ھ):۔ مصنف رائے چتر من ہیں "کایستھ تھے غازی الدین حیدر کی فرمائش پر تحریر کی تھی اس میں بھی چار ہی باب ہیں تاریخی حیثیت سے اہم نہیں ہے ہندو اور مسلمان فقرا کے حالات بھی ہیں۔ بعض معلومات کارآمد ہیں۔ سر جادو ناتھ سرکار نے اسکے بعض حصوں کا ترجمہ کیا ہے[۱]۔

(۱۴) رسالہ نانک شاہ:۔ (۱۱۹۷ھ) اس کے مصنف منشی بدھ سنگھ تھے یہ رسالہ سکھوں کی تاریخ ہے۔

(۱۵) تاریخ فیض بخش (۱۱۹۰ھ) اسکے مصنف شیو پرشاد ہیں اسمیں صرف روہیل کھنڈ کے افغانوں کی تاریخ ہے منشی شیو پرشاد نواب فیض اللہ خاں کے یہاں ملازم تھے انھوں نے یہ کتاب پیٹرک صاحب کی منشا سے لکھی تھی مصنف نے اس کتاب میں روہیلوں اور شاہان اودھ کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔

(۱۶) میزان دانش (۱۱۷۲) مصنف آنند روپ برہمن۔ یہ ... جی بھونسلہ کے ملازم تھے یہ بھی ہندوستان کی مختصر سی تاریخ ہے

(۱۷) تواریخ حیدری:۔ (۱۱۹۷ھ) اسکے مصنف منشی بدھ سنگھ تھے۔ حیدر علی والی میسور کی تاریخ ہے۔

---

[۱] ریویو جلد ا صفحہ ۔ ریویو جلد ا صفحہ ۔ ایلیٹ جلد ۷ صفحہ ۲۱

[۲] ریویو جلد ۲۔ صفحہ ۳۰۶ ؛ ایلیٹ جلد ۸ صفحہ ۱۰۶

(۱۸) تاریخ احمد خانی (۱۱۷۰ھ) مصنف نول رائے یہ احمد خاں بنگش کے ملازم تھے اسمیں احمد خاں بنگش کے حالات ہیں دوسرے باب میں مختلف عنوان کی کہانیاں ہیں۔

(۱۹) خط ہولکر (۱۱۹۰ھ) مصنف کمند رائے۔ یہ راجہ ہولکر کے سیاسی خطوں کا مجموعہ ہے۔

(۲۰) تاریخ شاہ عالم (۱۱۹۶ھ) مصنف منا لال یہ شاہ عالم ثانی کی تاریخ ہو۔

(۲۱) چہار گلشن شجاعی:۔ مصنف ہر چرند اس یہ کتاب نواب شجاع الدولہ کے نام معنون ہے اسکے دو حصّے ہیں جو سعادت خاں اور صفدر جنگ کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(۲۲) راجہ سوبادلی:۔ مصنف منشی بنی رام ہیں یہ تاریخ ہند کرنل خرتھ کی منشا پر لکھی گئی تھی۔

(۲۳) صحیح الاخبار (۱۲۰۹ھ) مصنف سروپ چند کھتری۔ گورنر جنرل مرجان میور کی فرمائش سے یہ تاریخ ہند تیار کی گئی تھی۔

(۲۴) واردات قاسمی:۔ مصنف کلیان سنگھ۔ اس کتاب کے دو حصّے ہیں۔ ناظمان بنگال کی تاریخ ہے۔

(۲۵) ماثر آصفی:۔ (۱۲۰۸ھ) یہ نظام خاندان کی تاریخ ہے مرہٹوں کا بھی تذکرہ ہے مصنف کا نام لکشمی نرائن شفیق ہے۔

(۲۶) بساط الغنائم:۔ مرہٹوں کی تاریخ ہے پانی پت کی جنگ پر اسکا خاتمہ ہے۔

(۲۷) ماثر حیدری:۔ اسکے مصنف لکشمی نرائن شفیق ہی ہیں سلطان حیدر علی کی تاریخ ہے۔

(۲۸) سخن الفتوح:۔ (۱۲۲۲ھ) مصنف بھگوان داس مرہٹہ جنگوں کے تذکرہ پر ختم ہے

اسٹڈیز ریویو جلد ۳ صفحہ ۹۱

(۲۹) خالصہ نامہ :- (۱۲۲۲ھ) سکھوں کی تاریخ ہے۔

تذکرے

ہندو مصنفین نے بے شمار تذکرے بھی لکھے ہیں جن سے فارسی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

(۱) ہمیشہ بہار (۱۱۳۶ھ) از کشن چند اخلاص۔ یہ فارسی شعراء کے حالات کا تذکرہ ہے [۱]

(۲) سفینۂ عشرت :- (۱۱۷۵ھ) مصنفہ وزگاداس عشرت :- تمام متقدمین و متاخرین کا تذکرہ ہے۔

(۳) انیس الاحبا :- (۱۱۹۷ھ) مصنفہ موہن لال انیس۔ یہ مرزا فاخر مکین اور ان کے ہندو شاگردوں کا تذکرہ ہے [۲]

(۴) چمنستان شعراء :-
(۵) گل رعنا :-
(۶) شام غریباں :-
(۷) تحفتہ الاحباب :-

مصنفہ شفیق اورنگ آبادی

شفیق مذکور

(۸) عیار الشعراء :- (۱۲۴۷ھ) مصنفہ خوب چند ذکار اسمیں ا پندرہ شعراء کا حال ہے [۳]

(۹) سفینۂ ہندی :- (۱۲۱۹ھ)

(۱۰) تذکرہ حدیقۂ ہندی (۱۲۰۰ھ)

---

[۱] First two Nawabs of Awadh. by A.L Sriwastava
[۲] ریویو۔ جلد ا صـ ۲۸۳ ۔ [۳] ریویو جلد ۳ صـ ۹۱۴ ۔ ایلیٹ جلد ۸ صـ ۴۰۴

(۱۱) رسالہ سوانح بنوہ۔

(۱۲) سفینۂ خوشگو۔ مصنف بندرابن داس خوشگو۔ یہ تذکرہ بہت ہی مشرح اور مفصل ہے۔ شعرا کے کلام کا نمونہ اچھا خاصہ دیا ہے مصنف کی تنقیدی حیثیت بہت بلند ہے اور ترتیب سن کے لحاظ سے ہے۔

لغت وصنائع وبدائع

(۱) گنج الفت۔ مصنف منشی گردھاری لال

(۲) نصاب مثلث قیل (۱۲۹۷ھ) گوبند رام

(۳) کشف اللغات افغانیہ (پشتو زبان) نرائن داس پشاوری

(۴) غنچۂ بے خار (صنائع و بدائع) گنیش داس لائق

(۵) ہفت گل (۱۲۹۴ھ) منشی کانتا پرساد ناواقف

(۶) دریائے عقل (مصنف) گنگا پرساد بن دولت چند

(۷) بہار علوم۔ میندڑولال زار

(۸) رسالۂ ضمیر۔ منشی ہیرا لال ضمیر

(۹) جواہر منظوم۔ منشی دولت رائے۔

(۱۰) مفتاح الصفات۔ منشی رام نرائن لال۔

(۱۱) مراۃ الاصلاح (مصنف) آنند رام مخلص

(۱۲) مصطلحات وارستہ۔ سیالکوٹی مل وارستہ

(۱۳) بہار عجم۔ (مصنف) ٹیک چند بہار۔ یہ ایران میں بہت ہی مستند لغت خیال کی جاتی ہے۔

(۱۴) ہفت اختر:۔ (۱۱۸۲ھ) مصنفہ کاشی
(۱۵) آمدن نامہ:۔ مصنف سکھ لال داس۔

تراجم

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے ترجمے بہت ہوئے ہیں اس کی بھی ایک مختصر فہرست دی جا رہی ہے۔

(۱) مخزن العرفان (۱۱۲۹ھ) مصنفہ روپ نرائن ولد ہری نرائن یہ "برج مہاتم" کا ترجمہ ہے۔
(۲) گلشن اسرار:۔ (۱۱۳۴ھ) مصنفہ ستیہ نرائن
(۳) رسالہ در مدح شیوجی:۔ مصنف کشن سنگھ
(۴) عین الظہور مصنف کشن سنگھ نشاط
(۵) بھگت مالا:۔ (۱۱۶۲ھ) مصنفہ لال جی داس
(۶) محیط معرفت:۔ (۱۱۶۷ھ) مصنفہ ستی داس عارف
(۷) پوران ناتھ پرکاش
(۸) رسالہ کرپارام:۔ مصنف کرپارام کائستھ
(۹) چھتر مہاتم:۔ مصنف کرن سنگھ
(۱۰) کرم کانڈ و پنچاست کالے:۔ مصنفہ منشی دلارام
(۱۱) گیا مہاتم:۔ مصنف آنند نرائن موہن

نثری کتابوں کے سرسری جائزے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم شاعری کا ایک مختصر سا جائزہ لیں کہ اُس دور میں ہندوؤں نے شاعری کے میدان میں کیا کیا جولانیاں دکھائی ہیں۔

منشی چندر بھان برہمنؔ

یہ ہندوستان کے بہترین ہندو شعراء میں تھے ان کو عام طور پر دوسرے درجہ کا شاعر سمجھا جاتا ہے ان کے وطن کے بارے میں تذکروں میں شدید اختلاف ہے ان کے والد کا نام دھرم داس تھا جو کہ اکبر کے زمانے میں تعلیمات اسلامیہ میں پوری پوری دستگاہ حاصل کر کے شاہی ملازمین میں شامل ہوئے تھے۔ اور اعلیٰ منصب حاصل کیا تھا۔

چندر بھان برہمن گھرانے میں ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے تھے جائے ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ زیادہ تر زور لاہور پر دیا جاتا ہے حالانکہ لاہور کے بارے میں وہ خود رقم طراز ہیں:۔

"این نیاز مند بر دار السلطنت لاہور بمقتضائے لطافتِ آب و ہوا ہر اقسام خوبہا کردم بر قسمتِ اتحادی از ندر سیدہ لہ"۔

اپنی لیاقت و دانائی کی بدولت بادشاہ شاہجہاں کے دربار سے والبتہ ہو گئے وہاں انکی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ شاہجہاں پیار سے انھیں "ہندو فارسی داں" کہا کرتا تھا۔ دارا شکوہ برہمنؔ سے بڑا متاثر تھا۔ اسے برہمنؔ کا طرز تحریر بہت پسند تھا۔ چنانچہ دارا شکوہ نے زندگی بھر برہمنؔ کو اپنے ہی قریب رکھا۔ دارا کے مرنے کے بعد برہمن نے عزلت گزینی اختیار کر لی تھی۔ اور بنارس جا کر فوت ہوئے۔ برہمنؔ نہایت سلیم المزاج، صوفی مشرب، اور صلح کل ہندو تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔ ۲ہ

"وہ شکل سے تو ہندو ہیں مگر سانس اسلام کی لیتے ہیں۔

لہ انشائے [illegible] صفحہ ۲۴۸

اپنی تحریروں میں ہندو مراسم کا نہایت احترام سے ذکر کیا ہے'
ان کی طبیعت میں گداز ہے انکی آنکھیں ہمیشہ تر رہا کرتی ہیں"

نمونۂ کلام :-

کنم ز سادہ دلی ست دیدہ مژگاں را — بہ مشت خس نتواں بست راہِ طوفاں را
ہمیشہ زلفِ ترا اضطراب در کار است — چگونہ جمع کنم خاطرِ پریشاں را

شاعری کے علاوہ برہمنؔ نے نثر نگاری میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔

(۱) چہارِ چمن (۲) نگارنامہ (۳) گلدستہ (۴) تحفۃ الانوار۔
(۵) تحفۃ الفصحار (۶) مجموعۃ الفقرا، منشیات وغیرہ۔

ان کی انشا پردازی کے بارے میں ایک معاصر مصنف کی رائے ہے کہ:- [1]

"برہمن توسل اور انشاء میں مہارت رکھتے ہیں انکو نامہ طرازی اور مدعا پردازی کی پوری مشق تھی۔ لیکن اسکے باوجود ان کا انداز بیان بالکل سادہ تکلف و اغلاط سے پاک، تسلسل استعارات و تشبیہات سے خالی ہوتا تھا!"

برہمن کو خط شکستہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ خوشنویسوں میں ان کے خط کی صفائی کی بیحد تعریف کی گئی ہے [2]

آنند رام مخلص

آنند رام مخلصؔ سوہدرہ (ضلع سیالکوٹ) کے ساکن تھے ذات کے کھتری تھے۔ فارسی وغیرہ میں انھیں اعلیٰ استعداد حاصل تھی۔ بچپن میں گنجفہ کھیلنے کا شوق تھا ان کے باپ نے سختی کی تو اس عادت قبیحہ کو ترک کر دیا۔

---

[1] فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصہ۔ از عبد اللہ [2] تذکرہ خوش نویسان صہ ۵۵

شروع شاعری میں پہلے مرزا بیدل سے اصلاح لی۔ پھر جب خان آرزو۔ ۱۱۳۲ھ میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد آئے تو ان کے گہرے تعلقات پھر گہرے ہوگئے اور مخلص نے خان آرزو کے لیے جاگیر منصب اور خطاب غرض کر سب کچھ بادشاہ سے حاصل کرالیا[۱]۔

سراج الدین خان آرزو ارشاد فرماتے ہیں کہ "آنندرام مخلص بے حد خوش اخلاق آدمی ہیں۔ تیس سال سے میرا قیام دہلی میں ہے اس کی وجہ صرف مخلص کی عنایات ہیں[۲]"

مخلص کے مرتبہ کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ سبھی تذکرہ نویسوں نے ان کا ذکر کیا ہے۔ تذکرہ "مخزن الغرائب" پر ایک عام اعتراض ہے کہ اسمیں ہندو مصنفین کا تذکرہ بہت کم کیا گیا ہے لیکن ایسے لوگوں نے بھی مخلص کا تذکرہ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مخلص اپنے معاصرین کے لیے شمع محفل تھے علم و شعر میں قدرت رکھنے کے علاوہ اہل علم کیلئے ملجا و ماوٰی بھی تھے۔ مخلص کو فارسی زبان پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ وہ اہل زبان سے بھی حریفانہ و ہم چشمانہ گفتگو کرنے لگے تھے۔ مخلص اہل زبان کے اشعار پر تنقید بھی کرتے تھے مخلص اپنی انشاء میں بے تکلف اہل زبان کے محاورات استعمال کرتے تھے۔ ان کی انشاء نویسی اس بات کی شاہد ہے کہ بیشک وہ فارسی کے بلند پایہ ادیبوں میں تھے۔ اور ادبیات فارسی کی کوئی بھی تاریخ ان کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

نمونۂ کلام مخلص

میازار اے محبت باز چون من ناتوانے را ۔۔۔ غریبے دردمندے بیکسے آزردہ جانے را

ز حال بلبل مسکین ندارم اطلاع اما ۔۔۔ بپائے گلبنے دیدیم مشت استخوانے را

۱: نشتر عشق قلمی جلد ۲ ص ۱۴۱ ۔ ۲: نشتر عشق قلمی جلد ۱ ص ۴۱

اے بلبلاں شریک حال می شدم دمے | نگزاشت فصلِ گل بچمن باغباں مرا
اے بلبلاں کردہ سفر جانب قفس | تنہا گزاشتید دریں گلستاں مرا
قصۂ کوہ کن بود گویا | بوئے خون آید از افسانۂ ما
ہر نفس بوی محبت آید از گفتار ما | می تواں فہمید از .... ما مقدار ما

ولہ

ہمیشہ آب گہر با گہر بود دمساز | نہ شد ز دیدۂ ما دور آب دیدۂ ما

ولہ

چہ اختلاط بر ارباب عقل شیدا را | بہ طور ما بہ گذار اید لختۂ ما را

ولہ

ہر گز کسے نہ کرد نگاہے لبوئے ما | کس گرم تر ز داشک نیائید سوئے ما
ہر چند ابر گریہ کند بشگفد چمن | از فیض آب دیدہ بود آبروئے ما

ولہ

وحدۃ الوجود

گل یکے خار یکے شاخ یکے تار یکیست | نزد ارباب نظر ہر خس و خاشاک یکیست
دل ز رختے است عشق پرور زہ | از محبت ہمیشہ بار آور است

برہمن اور رشتۂ زنّار

"مرا بہ رشتۂ زنّار الفتے خاص است بہ یادگار من از برہمن ہمیں دارم"[۳]

۱: عمل صالح

۲: عمل صالح قلمی صد ۱۳

۳: تذکرہ خوش نویسان ۵۵

سیالکوٹی مل وارستہ

وارستہ کا بھی شمار فارسی ادب کے مشہور نثر نگاروں اور ادیبوں میں ہوتا ہے وارستہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ابھی تک بہت کم معلومات فراہم ہو سکی ہیں وارستہ کی تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ میر محمد علی رائج سیالکوٹی ان کے استاد تھے ان کی آخری عمر ڈیرہ غازی خان میں بسر ہوئی اور اسی مقام پر ۱۱۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ "وہ تیس برس تک ایران میں رہ کر محاورات کی تحقیق میں مصروف رہے" [1]

وارستہ کو شاعری میں کمال حاصل نہ تھا۔ ان کی سب سے بڑی فضیلت۔ ان کی نثری انشا پردازی اور محاورہ دانی ہے۔ وارستہ کی علمیت سطحی نہیں ہے بلکہ عمیق ہے وہ تنگ خیال نہ تھے بلکہ وسیع الخیال بلند حوصلہ تھے۔ اپنے زمانے کے بہترین نقاد اور محقق تھے ان کی تنقید بے مثال تھی۔ وارستہ کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **صفات کائنات**:۔ ہندوستان کے فارسی انشا پردازوں کی تصنیفات سے مختلف مواقع اور تقاریب کے سلسلے میں لکھے گئے پارے ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں۔ ہر بیان "در صفت" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔

۱؎: معارف اکتوبر ۱۹۱۸ء ص ۱۸۱، ۲؎ ریویو جلد سوم ص ۱۰۰۶ Review Part III Page 1006. ÷ A collection of choice example of prose, composition, consisting mostly of the historical descri place & arranged according:—

"[illegible]"

(۲) مطلع السعدین :- ۱۱۶۰ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس میں فن انشاء اور شعر کی مختلف اصناف پر بحث کی گئی ہے۔

(۳) مصطلحات الشعراء :- جدید محاورات اور چیدہ مصطلحات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۱۸۰ھ میں ختم ہوئی۔ اس کتاب کے دیباچے میں مولف نے لکھا ہے کہ "میں عہدِ طفلی سے ہی فصحاء اور شعراء کے دوانین کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس سلسلے میں فارسی کے نادر محاورات سے آشنا ہوا۔ ان محاوروں کو حل کرنے کا خیال پیدا ہوا جس سے میں نے مختلف لغت کی کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن کوئی خاص فائدہ نہ ہوا آخر مجبور ہو کر ایرانی زبان دانوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس شغل میں پندرہ برس بیت گئے۔ اس کے بعد یہ مجموعہ تیار ہوا۔ بعض محاورے اگرچہ پہلی لغتوں میں موجود ہیں پھر بھی انہیں اسلئے اپنی تیار کردہ لغت میں شامل کرنا پڑا کہ انکی یاد تازہ ہو جائے اور ان کا بکثرت استعمال ہونے لگے متروکہ محاورات کو شامل کرنے سے پرہیز کیا۔"

(۴) رجم الشیاطین :- میر خان آرزو کی کتاب "تنبیہہ الغافلین" کا جواب ہے اس میں ان اعتراضات کی تردید کی گئی ہے جو خان آرزو نے علی حزیں کی شاعری پر کیے تھے۔

(۵) جنگ زنگار رنگ :- یہ دار ستہ کی بیاض ہے جسمیں مختلف شعراء کے عمدہ اشعار جمع ہیں۔ مضامین کے لحاظ سے ۲۰، عنوان مقرر کیے گئے ہیں ملہ۔

(۶) مصطلحات وارستہ :- لغت کی کتابوں میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے خان آرزو کے بعد جو لغت کی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں تنقیدی تحقیق کے نقطۂ نگاہ سے اس مصنف کو صف اول میں جگہ ملنی چاہیے اگرچہ یہ

ملہ: اودھ کٹلاگ از اسپرنگر صـ ۱۴۶

ایک مختصر رسالہ ہے مگر اسکی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعد
کے آنے والے لغت نویسوں نے وارستہ کی کتاب کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔ قتیل
نے بھی اپنی کتابوں میں وارستہ سے استناد کیا ہے اسمیں شک نہیں کہ
"مصطلحات" کی تحقیق کو عام فضلاء و علماء رفعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

منشی ٹیک چند بہار

رائے ٹیک چند بہار دہلی کے باشندے تھے سراج الدین آرزو
شیخ ابوالخیر وفائی کے شاگردوں میں تھے فتح علی حسینی گردیزی کے ساتھ بہار
کے دوستانہ تعلقات تھے میر تقی میر بھی ان کو اپنے دوستوں میں شمار کرتے
تھے۔ وہ ہندی اردو اور خصوصاً فارسی میں بہت سی کتابیں چھوڑ
کر مرے۔ بہار عجم جو فن لغت پر ہے، ان کا شاہکار ہے۔ یہ متواتر بیس سال
کی کوششوں کے بعد لکھی گئی۔ یکے بعد دیگرے سات نسخے اصلاح و ترمیم
کے بعد شائع ہوئے۔ پہلا نسخہ سنہ ۱۷۱۵ء میں طبع ہوا تھا۔

بہار کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ
کیا اور قتل عام جاری کیا تھا تو بہار جان ہتھیلی پر لیے ہوئے ایرانیوں کی
آوازیں، الفاظ اور محاورے جمع کرنے میں مصروف تھے۔[۲]

"بہار عجم" کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جامعیت ہے کیونکہ
وہ متواتر تیس سال تک تحقیق و تنقید اور جمع و ترتیب میں لگا رہے یہاں
تک کہ انھوں نے ایران کا سفر اختیار کیا۔ جیسا کہ اودھ کیٹلاگ کے مصنف ڈاکٹر
اسپرنگر کا بیان ہے"۔ انھوں نے ایران کا بھی

[illegible]

سفر اختیار کیا تھا۔ تاکہ وہاں کے جدید محاورے فراہم ذیکجا کر سکیں"۔[1] یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت حاصل ہے۔ اگر ہندوستان میں اس کتاب کے علاوہ اہلِ علم کی کوئی اور قلمی کوشش موجود نہ ہوتی تو "بہار عجم" سارے فارسی لٹریچر میں اپنی جگہ حاصل کر کے رہتی۔ اور اسی بنا پر فارسی ادب میں ہندوؤں کی گراں قدر خدمات تسلیم کی جاتی۔ "بہار عجم" کے علاوہ منشی ٹیک چند بہار کی حسب ذیل کتابیں ہیں۔[2]

(۱) جواہر المعروف (۲) نوادر المصادر (۳) ابطال ضرورت (۴) جواہر الترکتب۔

منشی لکشمی نرائن شفیق
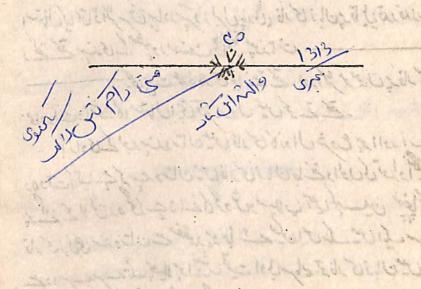
شفیق کے والد کا نام منسا رام تھا جو دکن میں عرصہ دراز تک بطور پیشی کار صدر الصدور رہے شفیق ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ذات کے کھتری تھے۔ ان کے اجداد لاہور کے رہنے والے تھے۔ شفیق کی ابتدائی تربیت میر غلام علی آزاد کے پاس ہوئی۔ انھیں کے پاس یہ صاحب تربیت ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عبدالقادر برہان سے پائی۔ بعد ازاں آزاد کی تربیت میں آئے۔ سترہ سال کی عمر میں مختلف علوم میں مہارت حاصل کر لی۔ ماہر ہو گئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں "چمنستان" لکھا۔ شفیق میر غلام علی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شاعری سخن سنجی، تاریخ گوئی، اور تصنیف و تالیف میں آزاد کا اتباع کیا۔ شفیق کثیر التصنیف تھے اردو فارسی دونوں زبانوں میں انکی تالیف کردہ کتب ہیں۔ مندرجہ ذیل کتب تصنیف کردہ ہیں

---

[1]: "ہندوؤں میں اردو" رفیق مارہری صفحہ [illegible]

[2]: ڈاکٹر اقبال [illegible] کی صحت کے لئے اسکو بہت پیش نظر رکھتے تھے اور اپنے خطوں میں دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

(۱) حقیقتہائے ہندوستان (۱۲۰۴ھ)
(۲) ماثر آصفی
(۳) تمغین شنگرف
(۴) انباط الغنائم
(۵) حالات حیدرآباد
(۶) مآثر حیدری

شفیق مورخ اور سوانح نگار ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے، نمونۂ کلام درج ذیل ہے

مصرعے ابروئے او بسم اللہ عنوان ما — مصحف رخسارۂ او دین ما ایمان ما
بسکہ از گفتار ما رنجیدگاں را آنجا — کردۂ صورت گراں شد صفحۂ دیوان ما

ولہ

بر دل ما التفاتے ہست چشم یار را — التفتے بسیار باید ساقیا میخوار را
چشم او بر ما نگاہے گر ندارد عیب نیست — می شود پرہیز لازم مردم بیمار را

اکبر کے زمانے میں ہندو فارسی کی طرف متوجہ ہوئے تھے اس زمانے سے لیکر انگریزی حکومت کے خاتمہ تک ہندوستان میں فارسی کا خوب دور دورہ رہا تھا اس زمانے میں بھی ہندوستان میں بہت سے فارسی کے شعراء اور نثر نگار گذرے ہیں۔ اس عہد کے لوگوں میں سوامی تیرتھ، پنڈت رتن ناتھ سرشار لالہ بانکے دیال، پنڈت برج ناتھ، منشی دوارکا پرساد افق، مہاراج بہادر برق پنڈت نرائن پرساد بیتاب، حضرت شام موہن لال جگر بریلوی۔

منشی پریم چند، پنڈت برجموہن کیفی، تلوک چند محروم، منشی جوالا پرساد برق، منشی درگا سہائے سرور، منشی اقبال ورما سحر، منشی جگت موہن لال رواں، منشی دیا نرائن نگم وغیرہ ان مایۂ ناز ہستیوں میں سے تھے جو انگریزی اور اردو کے علاوہ فارسی زبان کے بھی ماہر تھے۔

۱۹۲۸ء میں آل انڈیا کانگریس کے سالانہ اجلاس (کلکتہ) میں پنڈت موتی لال نہرو نے جو خطبۂ صدارت پڑھا تھا اس میں انھوں نے فارسی کے بہت سے اشعار پڑھے تھے۔ ہندوستان کی حصول آزادی کے بعد جے پور آل انڈیا کانگریس کے اجلاس کی صدارت جنوبی ہند کے مشہور لیڈر ڈاکٹر پٹابھی سیتا رمیاتے کی تھی۔ اور انہوں نے خطبۂ صدارت میں شیخ سعدی کے فارسی اشعار کا بہ کثرت استعمال کیا تھا ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (لبرل پارٹی) فارسی زبان پر قابلِ قدر قدرت رکھتے تھے ہندی کے مشہور مصنف ڈاکٹر سمپورنانند ——————— ——————— بھی بہت عمدہ فارسی جانتے تھے۔ اور اکثر موقعوں پر فارسی محاورات و اشعار کا استعمال اپنی تقریروں میں کرتے تھے۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں فارسی کا زوال شروع ہوا اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان میں فارسی زبان جاننے والوں کی تعداد انگلیوں پر گننے کے لائق رہ گئی ہے زمانے کی گردش و سیلاب ہمیں کہیں پہنچائیں فارسی زبان بھی ہندوستان سے مفقود ہو جائے لیکن اس ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا بیش قیمت ادبی سرمایہ جو فارسی زبان میں ہے اس کی حفاظت کرنی ہی پڑے گی۔

اور اب ایک مدت کے تغافل کے بعد ہندوستان میں ایران، اور ہندوستان کی دوستی بڑھانے والی انجمنوں کے قیام کے باعث فارسی زبان پر بھی اس ملک کی توجہ مبذول ہوئی ہے۔ ... اس ملک کے فارسی

اساتذۂ یونی ورسٹی کی ایک کانفرنس دہلی میں ہوئی تھی جس میں مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر راؤ نے بھی شرکت کرتے ہوئے فارسی کی مقبولیت کا ذکر کیا تھا۔ اور ایک زمانے میں اسے ملک میں جو مقبولیت حاصل رہی ہے اس پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کچھ عرصہ سے اس اہم زبان سے ملک میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ اس کانفرنس میں فارسی تعلیم کو مقبول بنانے اور اس کے موزوں نصابِ تعلیم کی تشکیل کے لیے ماہرینِ فن استادوں کی کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں۔ حکومتِ ایران کے سفارتی نمائندے نے اس انجمن کے مقاصد کی تکمیل میں ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ کیا ہے اس بنا پر امید ہوئی ہے کہ اس ملک میں فارسی کی طرف شاندار طریقے پر توجہ کی جائے گی جو کہ برحق ہے

باب دوم

اودھ کا تاریخی وثقافتی پس منظر

ہنود جس مقام کو اجودھیا کہتے ہیں شاہی اور انگریزی دفاتر میں اس کا نام اودھ درج ہے "اجودھیا" لفظ کا ماخذ سنسکرت کا "ایودھ" ہے جس کے معنی "غیر مغلوب شہر" کے ہیں۔ ڈاکٹر ولسن کا قول ہے کہ "اس کا مادہ یُدھ" ہے جس کے معنی جنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ شہر بہادر چھتریوں کی جگہ ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوا ہے [1]" اجودھیا ہندوؤں کے عقیدے کے لحاظ سے متبرک مقام ہے۔ اس لیے یہ شہر مقدسین کی آماجگاہ بنا ہوا ہے کیونکہ مولد و دار لحکومت بھگوان رام چندر جی کا ہے۔ سنسکرت رامائن کے مصنف بالمیک نے لکھا ہے کہ۔

"مہاراج منو نے سب سے پہلے یہ شہر بسایا تھا" [2]

شاعر اعظم بالمیک نے اس کو وسعت میں بارہ یوجن بتایا ہے اور ایک یوجن قریب چار کوس کے ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس شہر میں شاہراہ بنے ہوئے ہیں۔ اور ان پر روز پانی چھڑکا جاتا ہے [3]۔

۱؎ احسن التواریخ مصنفہ منشی رام سہائے تمنا ۔ مطبع تمنائی لکھنؤ

۲؎: تاریخ اودھ مصنفہ حکیم نجم الغنی حصہ اول ص۲ مطبع منشی نول کشور پریس لکھنؤ

۳؎ سرمید بالمیکی رامائن بال کانڈ: پنجم سرگ ص۳۱ گیتا پریس گورکھپور۔

ابوالفضل اجودھیا کے بارے میں لکھتا ہے کہ۔

"اودھ از شہرہائے ہند، طولِ او صد و ہژدہ درجہ شش دقیقہ، عرض از نسبتِ او ہفت درجہ و نسبتِ او دو دقیقہ بیش زمان بلدا از دیک صد و چہل و ہشت کروہ پہنا ہے سی و شش آباد بود"۔ [1]

ابوالفضل کے قول کے مطابق یہ شہر ۱۴۸ کوس لمبا، ۳۶ کوس چوڑا تھا۔ لیکن اس کا یہ قول مبالغہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہر اگلے زمانہ میں بہت ہی عظیم الشان رہا ہوگا۔ راجہ رام چندر کے دور کے بعد یہ شہر بالکل اجاڑ اور ویران ہو گیا۔ مہاراجہ بکرمادتیہ نے اسے از سر نو آباد کیا۔ راجہ بکرمادتیہ نے تمام مقامات کا پتہ لگا کر اور قدیم کتب سے مقابلہ کر کے ۳۶۰ مندر مہاراجہ رام چندر سے متعلق تعمیر کرائے۔ اس زمانے کے تمام مندر منہدم ہو گئے مگر ان میں سے چند آج بھی کسی نہ کسی شکل میں باقی ہیں۔

ہم اودھ سے وہ علاقہ مراد لیتے ہیں جو نوابی زمانے میں نیپال سے ملحق ترائی کا علاقہ تھا۔ اسکے شمال میں نیپال، جنوب میں گنگا، مشرق میں گورکھپور اور جنوب و مغرب میں شاہجہاں پور اور فرخ آباد کے اضلاع تھے میجر برڈ اس کی حد کے بارے میں رقمطراز ہیں [2]۔

"۱۸۵۵ء میں اودھ کا رقبہ چوبیس ہزار مربع میل تھا۔ اس کی آبادی پچاس لاکھ تھی۔ اودھ کی زمین اتنی زرخیز تھی کہ اسے ہندوستان کے چمن کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا"۔

---

[1] آئین اکبری مصنف ابوالفضل جلد دوم صفحہ ۱۸۸ [2] میجر برڈ۔ ڈکیتی ان اکسلیس یا ابو... بادشاہ ایسٹ انڈیا کمپنی ... لندن صفحہ ۲۱

مشہور عیسائی پادری مسٹر ڈنجیل ہیر لکھتے ہیں کہ: [۱]

اودھ کی سرزمین دنیا کی زرخیز ترین زمینوں میں شمار کی جاتی ہے یہاں پر وہ چیز پروان چڑھتی ہے۔ جو بنگالہ یا ایران میں پیدا ہوتی ہے یہاں بیک وقت چاول، اور کپاس، کھجور کے پیڑ پودے ملتے ہیں اس کے ساتھ ہی گیہوں، مکا، جو اور ہر قسم کی دالیں پیدا ہوتی ہیں۔

یہاں کی آب و ہوا لطیف، پانی خوش ذائقہ، مویشیوں کی گھاس خاص طور پر مفید اور صحت بخش ہیں۔

سرزمین اودھ میں گنا، چاول، افیون، کپاس اور سبھی اناج بکثرت پیدا ہوتے ہیں مغل سلطنت کے انحطاط کے زمانے میں اس علاقے کو بڑی اہمیت حاصل تھی اس زمانے میں شمالی ہند کی تاریخ میں سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اودھ میں نوابی دور کا آغاز اس وقت ہوا جب دلی کی سلطنت بالکل کمزور ہو چکی تھی اس عہد میں مغل شہنشاہ زبوں حالی، بے اختیاری، بےکسی اور فاقہ کشی کی زندگی گذار رہے تھے یہاں تک کہ بادشاہ عالمگیر ثانی کو فاقہ کشی کی اذیت برداشت کرنی پڑتا تھی اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انکے زنانخانے میں تین دن تک چولہا نہیں جل سکا تھا جسکے باعث روٹی کی تلاش میں مغل شہزادیاں محل کے پردے سے باہر نکل پڑی تھیں۔ محمد شاہ کے زمانے تک سلطنت کا رہا سہا دبدبہ بھی ختم ہو چکا تھا نظام الملک جنوبی ہند کے چھ صوبوں پر اپنا قبضہ کر چکا تھا شمالی ہند میں علی وردی خاں بنگال، بہار اڑیسہ کا نواب بن چکا تھا اسی زمانے میں محمد شاہ سید محمد امین عرف سعادت خاں کو اودھ کا صوبیدار مقرر کیا گیا تھا۔ اودھ کی یہ نوابی سلطنت کل ۱۳۶ رسال ۲ مہینہ اور ۲۴ دن تک قائم رہی۔ سعادت علی خاں اس سلطنت کا پہلا نواب تھا اور واجد علی شاہ آخری۔ ابتدا کے چھ فرمانروا نواب

---

[۱] مجموعہ ... تاریخ بلگرام مصنفہ منشی محمود ... صفحہ ۵۲

کے خطاب سے سرفراز کیے گئے لیکن آخری پانچ نوابوں کو "بادشاہ" کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔

نواب برہان الملک

۱۱۳۴ھ تا ۱۱۵۱ھ المطابق ۱۷۲۲ء تا ۱۷۳۹ء

سید محمد امین نام عرف سعادت خاں اور خطاب برہان الملک، تھا۔ ۱۷۲۲ء میں دہلی کے بادشاہ کی طرف سے اودھ کے نواب مقرر ہوئے انھوں نے فیض آباد کی بنیاد ڈالی۔ آبادی سے دو کوس دور گھاگھرا گھاٹ کے ٹیلے پر اپنے خیمے نصب کرائے بیگمات کے رہنے کے لیے کچھ مکانات بنوائے اور خود بھی ان میں قیام پذیر ہوئے۔ اصل میں سید محمد امین نے ہی اودھ میں شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی تھی۔

چار سو سال قبل عرب کے متبرک "شہر نجف" میں میر شمس الدین نامی ایک با اخلاق بزرگ تھے جو اپنی قابلیت اور پرہیزگاری کی وجہ سے ہم شہر لوگوں میں بہت ہی مقبول تھے شاہ احمد صفوی جو اپنی بہادری اور رحم دلی کے لیے مشہور تھے انھوں نے میر شمس الدین کو نجف مدعو کیا۔ اور نیشاپور کا قاضی مقرر کیا۔ قاضی (میر شمس الدین) نے نیشاپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ شاہ نے ان کو ایک وسیع جاگیر بھی عطا کی[1]۔

میر کے کئی لڑکے تھے جن میں سید محمد جعفر سب سے بڑے تھے ان کے دو لڑکے ہوئے۔

بڑے جن کے نام بالترتیب محمد نصیر اور محمد یوسف تھے۔

---

[1] تاریخ اودھ، مصنفہ نجم الدین، حصہ اول ص ۱۹

نے ایک خطرناک موقع پر بادشاہ کی جان بچائی جس سے خوش ہو کر بادشاہ نے رضا قلی بیگ کی بیٹی سے میر محمد نصیر کی شادی بڑی شان و شوکت سے کرا دی۔ اس شادی سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ میر محمد باقر اور میر محمد امین، یہی دوسرے شخص بعد میں اودھ سلطنت کے بانی نواب برہان الملک ہوئے[1]
انکی تاریخ پیدائش کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا مگر انکی وفات ۹ ذی الحجہ ۱۱۵۱ ہجری یعنی ۱۹ مارچ ۱۷۳۹ء میں ہوئی تھی اسوقت وہ ساٹھ سال کے تھے لہٰذا اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۶۹۰ء کے قریب انکی پیدائش ہوئی ہوگی[2] ان کے بارے میں عماد لکھتے ہیں کہ۔

"افضال ایزدی آن نقاوۂ دودمان عز و شرف را از عہد
رضاعت تا سن کمال بعہد تعلیم و تربیت پرورش میداد[3]

یعنی خداوند کی مہربانی سے بچپن سے جوانی تک اس معزز خاندان کے تحت ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔

سترہویں صدی کے ختم پر صفوی خاندان زوال پذیر ہو گیا اس لیے میر شمس الدین کے گھرانے کے لوگ جو شاہ صفوی کے یہاں پرورش پا رہے تھے غریبی و بے روزگاری کے شکار ہو گئے اس لیے میر محمد امین کے والد میر محمد نصیر نے ہندوستان میں قسمت آزمائی کا ارادہ کیا۔ اس وقت ہندوستان میں بہادر شاہ دلی کے تخت پر متمکن و فائز تھا وہ بہت رحمدل اور فیاض بادشاہ تھا وہ عقیدہ کے اعتبار سے شیعہ مذہب کی طرف زیادہ مائل تھا ان سب وجوہ کی بنا پر شیعہ

---

[1] تاریخ اودھ۔ مصنف حکیم الدین نائر۔ حصہ اول صفحہ ۱۴ ۔ [2] اودھ کے پرتھم دو نواب (ہندی اڈیشن) مصنف آشربادی لال سریواستو صفحہ ۳۵۲

[3] عماد السعادت صفحہ ...

نوجوان ہندوستان کی طرف زیادہ رجوع ہونے لگے تھے میر محمد نصیر بہت ضعیف ہو چکا تھا وہ اپنے لڑکے میر محمد جعفر کے ساتھ ۱۷۰۰ء میں ہندوستان کی طرف روزی کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اور بڑے ہی تکلیف دہ سفر کے بعد ہندوستان پہونچا اور اپنے لڑکے کے ساتھ ہندوستان کے شہر پٹنہ میں جاکر بس گیا ر[1]

میر محمد امین امیر محمد نصیر کا دوسرا مگر سب سے ہوشیار بیٹا تھا وہ اپنے وطن نیشاپور میں رہ گیا تھا وہ اپنے باپ اور بھائیوں سے ملاقات کرنے کے لیے ۱۱۲۰ ہجری میں عظیم آباد (پٹنہ) آیا[2] کچھ دن یہاں رہ کر وہ ملازمت کی تلاش میں دلی کی طرف چل پڑا۔[1] ابتدا میں ایک سال تک میر محمد امین ایک نامعلوم عامل کی خدمت میں رہا[3] لیکن پھر اپنے مالک سے اختلاف ہونے کی بنا پر استعفےٰ دیدیا۔

اسکے بعد ۱۷۱۲ء سے ۱۷۱۹ء تک فرخ سیر کے دربار سے متعلق رہا فرخ سیر کی وفات کے بعد سید حسن علیخاں بھی اسکی سپاہیانہ صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا اور اسکو منڈوانہ اور بیانہ کا فوجدار مقرر کیا[4] ۵ اکتوبر ۱۷۲۰ء میں سعادت خاں کے مرتبہ میں مزید ترقی ہوئی اور اسے آگرہ کا گورنر بنادیا گیا مگر اس نے نیل کنٹھ ناگر کو اپنا نمائندہ مقرر کیا اور اسے آگرہ کا انتظام دیکھنے کے لیے بھیج دیا۔ اور خود بادشاہ کے ساتھ رہا۔ حسن پور کی جنگ میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی جسکی وجہ سے بہادر جنگ کا خطاب ملا اس نے آگرہ اور متھرا کے سرکش جاٹوں کی سرکوبی کی جسکے عوض میں اسے شکریہ کا فرمان اور مرصع تلوار عطا ہوئی[5]

ر[1] عماد السعادت ص۵ (در مصر شاہ عالم نزول فرمود) [2] اودھ کے پرتھم دو نواب (ہندی) آشرو ادی لال سریواستو ص۶، [3] تاریخ اودھ جلد اول ص۳ مصنف کمال الدین حیدر۔
[4] اودھ کے پرتھم دو نواب (ہندی) آشرو ادی لال ص۱۲، [5] اودھ کے پرتھم دو نواب

بابر کے زمانے سے ہی اودھ مغل سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ جسوقت سعادت خاں کو یہاں کا گورنر بنایا گیا تھا اسوقت لکھنؤ شیخ زادوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ گورنروں کے انتظام میں طرح طرح سے دخل اندازی کیا کرتے تھے سعادت خاں نے معمولی جنگ کے بعد لکھنؤ ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اس مقابلہ میں مخالفین کا سپہ سالار سوہن سنگھ انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا اس کے مرتے ہی اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ سوہن سنگھ کی ہار سے اس کا دبدبہ اور بھی بڑھ گیا سعادت خاں نے اراضی اور لگان کا نیا انتظام کیا اس خدمت کے بدلے محمد شاہ نے اسے برہان الملک کا خطاب عطا کیا۔

"از ثقات بہ اثبات رسید کہ در آن ازمنہ آمدنِ صوبہ بجمیع وجوہ از ہفتاد لک روپیہ بیش نہ بود... چندے بغایتِ خسروانہ بخطابِ برہان الملک پایہ ملبند شد"۔[1]

سعادت خاں کی شخصیت بہت ہی دلکش تھی اس کا بدن لمبا چوڑا پیشانی چمکیلی آنکھیں خوبصورت اور لمبی اٹھی ہوئی ناک تھی مسلم رواج کے مطابق اسکی مونچھیں وسط میں کٹی ہوئی تھیں وہ ایرانی وضع کی داڑھی رکھتا تھا ضعیفی میں بھی اسکی داڑھی لمبی اور سفید تھی[2] اسکا جسم متوازن تھا اسکا رہن سہن نہایت ہی سادہ تھا۔ اخلاق بہت اچھا تھا اور وہ ہنس مکھ بھی تھا وہ اپنے دوستوں کا بڑا خیال کرتا تھا ولیم ھو نے دلی کی یادگار میں ایک نامعلوم شخص کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

"وہ اتنا خوش مزاج اور آزاد طبع شخص تھا کہ ۶۰ سال کی عمر ہونے پر بھی اسکے چہرے پر ایک بھی شکن نہ تھی"[3]

---

[1] عماد السعادت صہ ۲۵، [2] سیر المتاخرین حصہ دوم صہ ۴۶۸ (در لشی سفید و ملبند داشت)

[3] اودھ کے برتھم دو نواب (ہندی) آشرو ادی لال سریواستوا صہ ۱۱۔

کچھ لوگوں نے اسے ہندو کش اور متعصب بتایا ہے لیکن اس زمانے کے ہندو مورخین مثلاً آنند رام اور ہر چرند اس وغیرہ نے بھی اسکو ہندوؤں سے نفرت کرنے والا نہیں لکھا ہے بلکہ اس کے برخلاف ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے دیے حقیقت یہ ہے کہ شیعہ ہونے کی وجہ سے وہ سنیوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر زیادہ اعتبار کرتا تھا۔

سلطنتِ اودھ کے بانی نواب برہان الملک سعادت[1] خاں نئی سلطنت کے استقلال و استحکام مخالفوں کی سرکوبی اور دشمنوں کے استیصال میں اسقدر منہمک رہا کہ اسے علمی مشاغل کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ چونکہ طبیعت موزوں تھی اس لیے کبھی کبھی شعر کہتا تھا نواب برہان الملک سپاہی آدمی تھا۔ باقاعدہ شاعر تو نہ تھا مگر کبھی کبھی سپاہیانہ شعر کہتا تھا۔ اس کا تخلص امین تھا۔

زکدام رہ بیائیم کہ بچشم تو درآئیم کہ بگرد چشم مست ہمہ نیزہ سیاہ ست

سعادت خاں نے متعدد شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی بھی کی ہے۔ ان میں شیخ عبد الرضا متین جو کہ اصلاً عرب تھے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہ اصفہان میں پیدا ہوئے تھے دلی اور شاہجہان پور آباد میں رہ کر انہیں شاعری کا ذوق پیدا ہوا پھر اودھ آکر سرکار سے منسلک ہو گئے اور بڑی عزت سے رہنے لگے[2] میر عبد العلی طالع، سید محمد فدائی، آغا عبد العلی تحسین، سید جعفر رنبیر پوری وغیرہ اپنے عہد کے مشہور شاعر اور ادیب تھے جو نواب موصوف کے دربار سے وابستہ رہے۔

لہ بہ عماد السعادت مطبع نولکشور ص ۳۹ "اگرچہ نواب والا قدر ممدوح مقدم الذکر مرد سپاہی بود لیکن چوں طبیعت از ازل موزوں بود، گاہی فکر شعر ہم میفرمود "امین" تخلص می کرد.... حباب دیدہ شد)

۲ بہ منتخب التواریخ قلمی ... لکھنؤ

نواب ابوالمنصور صفدر جنگ

سنہ ۱۱۵۱ھ تا سنہ ۱۱۶۷ھ المطابق سنہ ۱۷۳۹ء تا سنہ ۱۷۵۴ء

ان کا ابتدائی نام مرزا محمد مقیم تھا وہ سعادت خاں برہان الملک کی سب سے بڑی بہن کے دوسرے فرزند تھے یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھے ان کو فارسی زبان پر عبور تھا[1] ساتھ ہی ساتھ وہ اچھے سپاہی تھے پندرہ سال میں سعادت خاں برہان الملک نے انہیں اپنے یہاں بلا لیا اور بڑی لڑکی سے ان کی شادی کردی نیز ان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ صفدر جنگ نے اپنی فطری استعداد، اور صلاحیت کے باعث اس قدر جلد مہارت و تجربات حاصل کیے کہ جب سعادت خاں دلی کی سیاست میں مصروف تھے اسوقت یہی صفدر جنگ اودھ کے انتظامات سلطنت کو نہایت کامیابی کے ساتھ سرانجام دیتے رہے[2]۔ سعادت خاں کی وفات کے بعد اودھ کی صوبے داری کے عہدہ پر تقرری کے لیے تھوڑی پریشانی اٹھانی پڑی لیکن آخر میں وہ اس عہدہ پر فائز کر دیے گئے برہان الملک کی وفات کے بعد اودھ کے جاگیرداروں نے سر اٹھانا شروع کر دیا لیکن انھوں نے اپنی بیوی کے مشورے پر عمل کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ اس بغاوت کو فرو کیا[3]۔ دلی کے بادشاہ نے حفیظ اللہ خاں کو ہٹا کر صفدر جنگ

---

[1] منصور المکتوبات قلمی ص ۵۹، ۶۳ (ٹیگور لائبریری لکھنؤ)

[2] اودھ کے پرتھم دو نواب (ہندی) اے ایل سریواستوا۔ ص ۹۷

[3] سیر المتاخرین جلد سوم ص ۸۵۳ مصنفہ سید غلام حسین

کو "میر آتش" کے عہدہ پر فائز کیا۔ صفدر جنگ نے توپ خانے کا انتظام نئے سرے سے کیا بادشاہ نے خوش ہو کر انھیں کشمیر کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔ [۱]

روہیلوں کو سبق دینے کے لیے صفدر جنگ نے ۲۵ فروری ۱۷۴۵ء کو وزیر قمر الدین خاں اور دوسرے جاگیرداروں کی مدد سے ان پر حملہ کیا۔ اور فتح حاصل کی۔ روہیلہ سردار علی محمد خاں گرفتار کر کے دلی لایا گیا مگر اسے رہا کر کے چکلہ سرہند کا فوجدار مقرر کیا گیا [۲] ۱۷۴۸ء کے پہلے ہفتہ میں ۱۸ ہزار سپاہیوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ صفدر جنگ کو مقابلہ کے لیے بھیجا گیا حسن پور کے مقام پر طرفین میں زبردست جنگ ہوئی صفدر جنگ بہت بہادری سے لڑے آخر احمد شاہ ابدالی کی فوج منتشر ہو گئی کچھ ہی عرصہ بعد بادشاہ کا ایک مہلک بیماری سے انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا احمد شاہ دلی کے تخت پر جلوہ گر ہوا۔ اس نے صفدر جنگ کے باقاعدہ وزیر ہونے کا اعلان کر دیا [۳] اس زمانے میں مغل سلطنت پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی لیکن حالت نہایت ابتر تھی سبھی صوبے خود مختار ہو رہے تھے مرہٹے حاوی ہو رہے تھے اور حکومت کا رعب رعایا کے دلوں سے ختم ہوتا جا رہا تھا صفدر جنگ مغل سلطنت کو بچانے کے خواہش مند تھے لیکن درباری سازشیوں اور ریشہ دوانیاں انھیں پریشان کیے ہوئے تھیں بادشاہ خود بھی کاہلی میں مبتلا تھا۔ صفدر جنگ کی ترغیب دلانے کے باوجود وہ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔

درباری سازشیں اتنی بڑھ چکی تھیں کہ صفدر جنگ کو قتل کرنے کی بھی ایک ناکامیاب سازش کی گئی۔ صفدر جنگ آنے والے خطرات

---

[۱]: تذکرہ آنند رام مخلص صہ ۳۳۴، [۲]: سیر المتاخرین صہ ۸۶۲ جلد سوم

[۳]: سیر المتاخرین جلد دوم صہ ۱۸۶ [illegible]

سے آگاہ ہو چکے تھے ہندر اور بار میں آنا جانا موقوف کر دیا۔[۱]

یہاں آکر انھوں نے انتظامی معاملات کی طرف توجہ کی۔ ۱۵ اکتوبر ۱۷۵۴ء کو گومتی ندی کے کنارے پاپڑ گھاٹ پر ان کا انتقال ہو گیا۔[۲] ان کے بیٹے شجاع الدولہ نے اپنے والد کی یاد میں ایک شاندار مقبرہ دلی میں بنوایا جس میں تقریباً تین لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ یہ مقبرہ ہندوستان کے خوبصورت مقبروں میں سے ایک ہے مقبرۂ مذکور پر یہ اشعار کندہ ہیں[۳]

چوں آں صفدر عرصہ مردمی ۔۔۔ نزد از فنا گشت رحلت گزیں

چنیں سال تاریخ او شد رقم ۔۔۔ کہ بادا مقیم بہشت بریں

اگرچہ صفدر جنگ کی زندگی کا زیادہ تر عرصہ میدان جنگ میں گزرا تاہم وہ علمی و ادبی ذوق سے بے بہرہ نہ تھے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے سلیس فارسی لکھتے تھے وہ خود بھی ادبی ذوق کی چاشنی سے واقف تھے اور شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔[۴] میر فیض علی نصیری جو صفدر جنگ کی ملازمت میں تھے انکو نواب نے مدح لکھنے کے صلے میں پانچ ہزار روپیوں کی پیشکش کی مگر انکی سیر چشمی اور اعلیٰ حوصلگی نے اس خطیر رقم کے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ مرزا محمد علی عارف تہرانی ایک اعلیٰ خاندان کا شاعر تھا یہ عرصہ تک نواب صفدر جنگ کے ساتھ رہا نواب نے انکو شاہ نامہ لکھنے پر مامور کیا۔

میر غلام علی نبی عرف فارسی اور ہندی تینوں زبانوں کے شاعر تھے موسیقی اور تیراندازی میں بھی خوب ماہر تھے انھوں نے ہندی میں نایکا بھید تصنیف کیا ہے اور ہندی میں چودہ سو دوہوں پر مشتمل ایک ذخیرہ کتاب کی شکل

---

[۱] اودھ کے پرتھم دو نواب (ہندی) صفحہ ۱۳۸ مصنف آشیروادی لال سریواستو۔

[۲] اودھ کے پرتھم دو نواب صفحہ ۱۳۸ [۳] سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۶۱۵ و جلد سوم صفحہ ۸۷۸

[۴] ہندی شاعری کا [illegible]

میں چھوڑا ہے[1] فارسی میں "تنہا" اور ہندی میں "رس لین" تخلص کرتے تھے ہندی میں ان کی کئی تصنیفات ہیں جن میں "انگ درپن" بالخصوص قابل ذکر ہے ان کے علاوہ مرزا عظیم اشرف ماہر مصور اور شاعر تھے یہ بھی نواب صفدر جنگ کے دربار سے وابستہ تھے اس طرح صفدر جنگ کے دربار سے علماء، شعراء، ادبا اور فنکار وابستہ رہے اور نواب موصوف ہر طرح سے ان کی ہمت افزائی کرتے رہے۔

شجاع الدولہ

سنہ ۱۱۶۷ھ تا سنہ ۱۱۸۸ھ المطابق سنہ ۱۷۵۴ء تا سنہ ۱۷۷۵ عیسوی!

اودھ کے یہ تیسرے نواب تھے سنہ ۱۱۴۴ ہجری میں پیدا ہوئے تھے[2] اچھے اور قابل معلموں کی زیر نگرانی ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی انکو عربی فارسی، ترکی اور متعدد ہندوستانی زبانوں پر دسترس حاصل تھی معمولی ہندی اور انگریزی بھی سیکھی تھی اس کے علاوہ پیرا کی، کشتی، شہسواری اور بندوق چلانے میں بھی مہارت حاصل تھی[3] جسمانی طور پر خوبصورت اور وجیہہ تھے ایک مشہور فرانسیسی سپہ سالار جین لا نے ان کی بابت لکھا ہے کہ۔

"ہندوستان میں میں نے جتنے خوبصورت نوجوان دیکھے ہیں ان میں شجاع الدولہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے[4]"

سہ ۱:۔ ہندی ساہتیہ کا اتہاس۔ مصنف رام چندر شکل صد ۲۷۳

سہ ۲:۔ تاریخ اودھ حصّہ دوم صد ۳ مصنف حکیم نجم الغنی

سہ ۳:۔ چہار گلشن شجاعی مصنف ہر چرن داس صد ۵۱۸

سہ ۴: شجاع الدولہ اور انگریز [illegible] مصنف [illegible]

تخت نشینی کے وقت ان کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔ شجاع الدولہ کے زمانہ میں نواب
اور انگریزوں کے درمیان بکسر کی مشہور جنگ ہوئی جس میں انگریز غالب
آئے اس جنگ میں نواب کو پچاس لاکھ روپے انگریزوں کو بطور تاوان
دینا پڑا۔ اس جنگ کے بعد ہی انگریزوں کے قدم سرزمین اودھ میں
داخل ہونا شروع ہو گئے۔[1] اس کے بعد سے انگریز بے انتہا حریص اور خونخوار
ہو گئے وہ نواب سے جیسے تیسے زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کرنے کی فکر میں رہنے
لگے نواب سے کئی عہد نامے ہوئے۔ ۱۷۶۵ء میں ایک دوسری صلح ہوئی جس کی
رو سے الہ آباد کا قلعہ انگریزوں سے نواب کو واپس مل گیا لیکن چنار کا قلعہ
انگریزوں ہی کے قبضہ میں رہا۔ ۱۷۷۲ء میں دونوں قلعے انگریزوں کے
ہو گئے اس طرح ۷ ستمبر ۱۷۷۳ء کو تیسری صلح ہوئی جو "صلح بنارس" کے نام
سے مشہور رہی اس صلح کے مطابق... نواب کو اپنی سلطنت میں کمپنی کی فوج
تعینات کرنے کے لیے دو لاکھ دس ہزار روپیہ بطور خرچ دینا طے پایا اس رقم کو چھوڑ
کر اور کسی بھی طرح کی اور کوئی رقم کسی مد میں نہیں لی جائیگی لیکن وارن ہیسٹنگز
کی بد نیتی تمام عالم میں مشہور تھی[2] ان تمام مصیبتوں میں گھرے رہنے پر بھی
بہر نوع شجاع الدولہ ایک کامیاب حکمراں تھے ان کے عہد میں اودھ میں
امن اور خوشحالی تھی نواب نہایت نرم دل واقع ہوئے تھے وہ بہت ہی فیاض
اور روادار طبیعت کے مالک تھے نواب شجاع الدولہ کا زیادہ وقت انگریزوں
اور روہیلوں سے جنگ میں گذرا تاہم وہ شعر و ادب کی سرپرستی سے غافل
نہیں رہے انکے زمانہ میں بہت سے نامور شاعر دلی سے فیض آباد آ گئے تھے نواب
شجاع الدولہ کی قدردانی اور فیاضی نے سارے ہندوستان کے موسیقی دانوں

---

[1] تاریخ اودھ حصہ سوم صہ ۲ مصنف حکیم نجم الغنی
[2] میر قاسم، مصنف ہری ہر ناتھ شاستری صہ ۲۴۲

کو اودھ کی سرحد میں لاکر اکٹھا کر دیا تھا۔[1]

جگل کشور ثروت اس عہد میں ایک مشہور فارسی داں شاعر ہوئے ہیں تذکروں میں صرف ان کا ایک شعر ان سے یادگار ہے

گفتم کہ یاد من شود نخاطرت گر آید　　گفتا کہ ردئے خود بیں احر نے بگو شاید

یہ پہلے دلی میں محمد شاہ کے دربار سے وابستہ تھے انھیں بادشاہ سے اتنی قربت حاصل تھی کہ لوگ ان سے حسد کرنے لگے تھے دلی کی بربادی کے بعد وہ نواب شجاع الدولہ کی سرکار سے وابستہ ہو گئے نواب انکی بڑی عزت کرتے تھے[2]

راجہ رائے سجن مل معنی شاہ جہاں آباد کے چند مقامات کے منتظم کار تھے۔ انکو انشار پردازی میں کامل دستگاہ حاصل تھی نہایت دلچسپ اور رنگین عبارت لکھتے تھے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کے دربار میں رہکر اپنی آخری زندگی بسر کی۔

اردو کے مشہور شاعر مرزا محمد رفیع سودا اپنی آخری عمر میں لکھنؤ آئے اور نواب شجاع الدولہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ نواب نے ان کو اس کے عوض خلعت عطا کیا اور دو سو روپیہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ سودا کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر کہتے تھے[3] سراج الدین علیخاں فارسی کے زبردست ماہر تھے شاعر بھی تھے دلی سے آکر نواب شجاع الدولہ کے دربار سے منسلک ہو گئے نواب نے تین سو روپے ماہانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[3]

بھوپے سنگھ مشرب اکبر آبادی بھی فارسی کے ممتاز شاعر تھے۔ وہ

---

[1] واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن۔ مصنف بابو پری پورنانند ورما صفحہ ۱۷

[2] سفینۂ ہندی، مصنف بھگوان داس ہندی ص ۴۶

[3] ″　″　″ ص ۲۰۵

شجاع الدولہ کے ملازم تھے ان کا ایک شعر بطور نمونہ درج ذیل ہے۔

شب کہ من در قدم آن بت طناز روم ہر نفس خیزم و قرباں شوم و باز روم

منشی ہر چرن داس بھی شجاع الدولہ کے یہاں ملازم تھے انھوں نے ایک ضخیم کتاب شجاع الدولہ کے لیے لکھی ہے جس کا نام چہار گلشن شجاعی ہے یہ ابتداء سے لے کر ۱۲۰۱ھ تک کی تاریخ ہے جو ۱۱۹۹ھ یا ۱۲۰۱ھ میں تمام ہوئی تھی۔[1] حسین عطا خاں تحسین مرصع رقم نے شجاع الدولہ کی فرمائش پر چہار درویش کا قصہ نو طرز مرصع کے نام سے لکھا ہے[2]

میر جلال الدین غائب زید پوری عالم طب، لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے اچھے شاعر تھے ان کا دیوان تقریباً بتیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ بھی نواب شجاع الدولہ کے ملازم تھے۔[3] نواب شجاع الدولہ ۱۷۶۳ء میں بنارس گئے تو ایران کے مشہور عالم و شاعر شیخ علی حزیں سے بھی ملاقات کی اور ان کو چچا کہہ کر مخاطب کیا، آداب و سلام بجالائے اور بطور نذرانہ اشرفیاں پیش کیں۔

شیخ نے پیشانی پر بوسہ دیا اور ہاتھ پکڑ کر چاندی کے پلنگ پر اپنے پاس بٹھا لیا۔[4] ان لوگوں کے علاوہ خان آرزو، میر قمر الدین منت، میر ضاحک، میر حسن، میر سوز وغیرہ بھی نواب شجاع الدولہ کے دربار میں رہے اور ان کی فیاضیوں سے مستفیض ہوتے رہے۔

---

[1] تذکرۂ بے نظیر ص ۱۳۱، فہرست ریو ص ۹۱۲

[2] تذکرۂ خوش نویسان ص ۶۱/۶۲

[3] تذکرۂ بے نظیر ص ۱۳۲

[4] قیصر التواریخ جلد اول ص ۵۶

آصف الدولہ

۱۱۸۸ھ تا ۱۲۱۲ھ المطابق ۱۷۷۵ء تا ۱۷۹۷ء عیسوی

ان کا نام مرزا امانی خاں عرف مرزا زمانی تھا ۱۱۶۱ہ ہجری میں پیدا ہوئے ان کے جسم کے نیچے کا حصہ اوپر کے حصے سے چھوٹا تھا قوت حافظہ بہت تیز تھی ان کی تعلیم کا نہایت مناسب انتظام کیا گیا تھا لیکن انھوں نے پڑھنے لکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ چنانچہ شاگرد کی بے توجہی نے کئی استاد موقوف کرائے۔ انھوں نے تین باتیں اچھی طرح سیکھی تھیں سخاوت، تیراندازی اور بندوق چلانا۔ اول الذکر مشغلہ فضول خرچی کی حد تک پہنچ گیا تھا۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ ہجری کو جب بروز پنجشنبہ شجاع الدولہ کا انتقال ہوا تو آصف الدولہ نے انگریزوں سے کچھ عہد و پیماں کیے انھوں نے انھیں گدی پر بٹھا دیا۔ لاش ابھی دفن بھی نہ ہونے پائی تھی کہ خوشی کے شادیانے بجنے لگے تخت نشینی کے بعد آصف الدولہ نے مرتضیٰ خاں کو اپنا نائب بنایا۔ آصف الدولہ کی لاابالی حرکتوں سے انکی ماں بیحد ناراض رہتی تھیں، بار بار ان کو تاکید کرتی رہتی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ ماں اور بیٹے میں کشیدگی بڑھ گئی آخر نواب نے اپنا دارالحکومت فیض آباد سے لکھنؤ کو منتقل کر لیا[۱]

انگریز، نواب کو خوب لوٹتے رہے ہمیشہ روپے کی فرمائش انگریزوں کی جانب سے ہوتی رہی، نواب نے پچاس لاکھ روپیہ نقد دینے کے بجائے بنارس کا علاقہ کمپنی کو دیدیا اور اودھ میں رہنے والی انگریز فوج کا پچاس

---

[۱] تاریخ اودھ حکیم نجم الغنی جلد سوم

ہزار روپے ماہانہ کا خرچ بھی نواب کے ذمہ کر دیا۔ [1] نواب کو روہیلوں سے بھی جنگ کرنی پڑی جس میں بعد میں مصالحت ہو گئی ان سب سیاسی پریشانیوں اور الجھنوں کے باوجود بھی نواب نے اپنے عہد میں بہت سے تعمیری کام کیے ان تمام کاموں کا اصل مقصد غربا پروری تھا کوٹھی بیبیا پور، پختہ پل، بڑا امام باڑہ رومی دروازہ وغیرہ ان کی شاندار تعمیرات ہیں آخری دو عمارتیں قحط سالی کے زمانے میں تعمیر کرائی گئی تھیں تاکہ غربا کی پرورش ہو۔ رومی دروازہ کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ روم کے دروازے کی نقل ہے لیکن یہ غلط ہے۔ گیان پرکاش کا مولف لکھتا ہے کہ:

> "نواب نے صدہا باغ باغیچے، بارہ دریاں، نہریں، حوض پانی کے خزانے، فوارے، محشتی و سنگین حمام، شیشے کا محل اور ہاتھی دانت کا بے مثل بنگلہ بنوایا۔ نواب نے سات لاکھ روپیہ حاجی محمد طہرانی کی معرفت، نہر فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر لانے کے لیے بھیجا تھا اس کام میں مرزا حسن رضا خاں اور خواجہ معین الدین انصاری نے بھی روپیہ دیا تھا۔" [2]

نواب آصف الدولہ کے عہد میں اودھ کا دربار علماء، شعرا اور فنکاروں سے بھرا تھا اس عہد میں جتنے شاعر اور فن کار پیدا ہوئے اتنے نوابی عہد کے کسی دوسرے دور میں نہیں ہوئے۔ نواب کی فیاض طبیعت کا شعر و شاعری اور ادب کی ترویج و ترقی میں ناقابل فراموش حصّہ ہے نواب آصف الدولہ خود بھی

---

[1] واجد علی شاہ اور اودھ راج کا تین صد ۲۳

[2] تاریخ اودھ مصنف نجم الغنی صد ۲۲

شاعر تھے اور اردو میں شعر کہتے تھے نواب کی اشعار اور غزلیں تکلّف اور تصنع سے پاک ہیں وہ جیسے سیدھے سادے مضمون باندھتے تھے ویسی ہی آسان طرحیں بھی اختیار کرتے تھے ان کے شعر کا تمام فقط محاورے کی چاشنی ہے، تشبیہیں استعارے اور فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت کم ہیں "تاریخ مظفری" میں لکھا ہے کہ۔

"آصف الدولہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور علم سیر و تاریخ میں اچھی مہارت تھی"[۱]

عہد آصفی میں صرف لکھنؤ ہی میں شاعروں کی کثرت نہ تھی بلکہ ہر قصبے قریے اور محلے میں شاعروں کا جمگھٹا تھا[۲] آصف الدولہ کے عہد میں راجہ گوپال رائے کو بخشی گیری کا محکمہ سپرد ہوا۔ وہ اور ان کے چار بیٹے اسی محکمہ میں کام کرتے تھے بخشیوں کے اس خاندان نے بڑی عزت، شہرت اور کثیر دولت حاصل کی۔ رائے گوپال کا سب سے چھوٹا بیٹا ٹیکارام بہت ہی ذی استعداد اور صاحب تصنیف تھا۔ وہ اردو اور فارسی میں شعر کہتا اور تسلّی تخلص کرتا تھا "مجموعۃ الشعرا" تسلّی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے نواب آصف الدولہ تسلّی کے گھر پر کئی بار تشریف لے گئے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نواب اہلِ کمال کے کس قدر قدردان تھے[۳] رائے کھیم نرائن آنند نواب آصف الدولہ کے یہاں پانچسو روپے ماہوار پر ملازم تھے وہ تقریباً بیس ہزار سے زیادہ اشعار کہہ چکے تھے فارسی میں بھی ان کا کلام موجود ہے[۴]

---

[۱] تاریخ اودھ ص ۳۰/۳۵

[۲] دستور الفصاحت ص ۱۲۴

[۳] رسالہ "آجکل" دہلی ماہ اگست ۱۹۴۹ء سید مسعود حسن رضوی کا مضمون

[۴] تذکرہ گلشن سخن ص ۶۵

رائے دولت رام دولت، رائے گردیال کے بیٹے اور راجہ ٹیکت چند کے پوتے تھے۔ راجہ مذکور نواب شجاع الدولہ کے عہد میں خزانے اور کار خانے کے مالک تھے۔ راجہ گردیال آبائی خانہ کی خدمت پر مامور تھے۔ خود رائے دولت رام نواب آصف الدولہ کے عہد میں اپنے باپ کی جگہ پر مستقل تھے لکھنؤ انکی جائے پیدائش ہے۔ موزونیِ طبع اور صحبتِ شعراء کے اثر سے کبھی کبھی ایک دو شعر موزوں کر لیتے تھے۔ اور تذکرۂ سفینۂ ہندی کے مولف کو دکھا لیتے تھے [1]

کرشن چند، نواب چند کے بیٹے اور رائے دیا کرشن کے چھوٹے بھائی تھے اور "سکینہ" کا تخلص تھے۔ قدیم وطن دلّی تھا۔ محمد شاہ کے عہدِ سلطنت میں لکھنؤ آئے۔ "محلہ نولبتہ" میں سکونت اختیار کی۔ ان کے باپ دادا کار لائقہ پر سرفراز رہے۔ اور یہ خود بھی نواب آصف الدولہ کی سرکار میں ملازم ہو کر عزت و وقار کی زندگی بسر کرتے رہے۔ طبع رسا اور فہم و ذکاء رکھتے تھے۔ شاعری میں مرزا فاخر مکین کے شاگردِ رشید تھے [2]

اس طرح آصف الدولہ نے اپنے عہد میں بہت سے ہندو شاعروں اور عالموں کی قدر کی ہے۔ اسکے علاوہ ذی علم حضرات کی سرپرستی بھی کی ہے۔ ادب کی جسقدر خدمت عہدِ آصفی میں ہوئی ہے ویسی خدمت کا شرف دوسرے نوابانِ اودھ میں کسی کو حاصل نہیں تھا محمد میر سوز ساکن شاہجہاں آباد۔۔۔۔۔۔ بھی آصف الدولہ کے دربار سے وابستہ تھے انشاء پردازی میں کامل مہارت رکھتے تھے بڑے، نازک طبع، نکتہ سنج اور عجیب و غریب آدمی تھے۔

یہ ایک علیحدہ طرز کے موجد ہیں شعر ایسے نادر انداز سے پڑھتے تھے کہ ہاتھ

---

[1]: تذکرہ سفینۂ ہندی قلمی۔

[2]: تذکرہ سفینۂ ہندی قلمی

یاد آ، آنکھیں بلکہ تمام اعضاء حرکت میں آجاتے تھے۔ خلیق اور بامزہ آدمی تھے
نواب آصف الدولہ کی فیاضی سے بہرہ مند ہوتے رہے۔ میر کی نازک مزاجی اور
بد دماغی اور انکے گستاخانہ اقوال و افعال کے باوجود آصف الدولہ نے ان کی بھی
جو قدر کی وہ تصور سے بالاتر ہے[۲]۔

مولانا محمد شوستری نحطا ایک نغز گو شاعر اور پسندیدہ اطوار مصاحب
تھے۔ مدت تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ ائمہ ہدیٰ اور سید الشہداء کی مدح میں
بلند پایہ قصائد و مرثیے لکھے ہیں۔ انکے دیوان میں دس بارہ ہزار اشعار ہیں۔ مرثیہ
خوانی میں بے مثل ہیں اور حسن صوت و نغمہ سرائی، مہارتِ موسیقی نیز آدابِ
صحبت میں عدیم المثال ہیں۔ وہ ہندوستان آئے تو نواب آصف الدولہ نے انکی
عزت کی اور انہیں امام باڑہ کی روضہ خوانی کا افتخار بخشا[۳]۔

مصنف عماد السعادت عہد آصفی کے حالات کا بیان ان الفاظ میں کرتے
ہیں:۔

"اس جناب (آصف الدولہ) کے فیض و احسان کے نتیجے میں
لکھنؤ میں فضلا و شعراء ہر طرح کے ارباب صنعت اور ....
.... دخوبانِ عالم کا ایسا مجمع ہو گیا ہے کہ اس ہیئت
اجتماعی کا کوئی شہر دنیا میں سنا نہیں گیا۔ راقم نے جنوب
کے بڑے بڑے شہروں کو دیکھا ہے کسی جگہ کو شہر لکھنؤ کیطرح
اربابِ فن و کمال کا معدن نہیں دیکھا۔ صرف ہندوستان
والے ہی اس جناب کی دولت کے فیض سے مستفیض نہ

---

[۱]:۔ طبقات الشعراء مولفہ قدرت اللہ بیگ۔ [۲]:۔ آب حیات کا تنقیدی مطالعہ
صہ ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۹، ۱۰۰ سید مسعود حسن رضوی۔ [۳]:۔ تحفۃ العالم صہ ۳۵۶، ۳۵۷ از امیر

عبداللطیف خاں شوستری۔

تھے بلکہ ایران کے لوگ جوق جوق اس سرزمین پر پہنچ کر انکے خوان کرم سے دلی مراد حاصل کرتے تھے۔ درحقیقت اس جناب کے فیض و احسان سے عراق کے راہیوں کی دوری دلوں سے نکل گئی تھی۔ مختصر یہ کہ انکی سخاوت و ہمت نیز کمال پروری نے سلاطین ماضیہ کی کمال نوازیوں و عالی ہمتیوں کے قصوں کو بے اصل اور افسانہ بنا دیا تھا۔"[لہ]

مرزا احسن علی احسنؔ، میر حیدر علی حیرانؔ، تسکین خاں صاحب تسکینؔ میر سوزؔ اور مولانا تفضل حسین جیسے عالم اور ادیب ہمیشہ نواب آصف الدولہ کی قدر دانیوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔

نواب وزیر علی خاں

۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ تا ۳ شعبان ۱۲۱۲ھ سنہ ۱۷۹۷ء

نواب آصف الدولہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر مایوس ہو کر ایک غریب سید زادے کو اپنا فرزند قرار دیا۔ اور اس لڑکے کا نام وزیر علی رکھا علم و ہنر اور آداب کی تعلیم تجویز پائی تھی۔ ۲ فن سپہ گری میں وہ رستم خان کا شاگرد تھا۔ انکے علاوہ اسکے شہسواری شمشیر افگنی، تیر اندازی اور چوگان بازی کی بھی خوب مشق کی تھی۔

نواب آصف الدولہ کے مرنے کے بعد نواب وزیر علی خاں جانشینی کو

لہ: عماد السعادت صفحہ ۱۵۸۔ ۲ہ: تاریخ اودھ مصنفہ حکیم نجم الغنی صفحہ ۲۶۰

انگریزوں نے بھی مصلحتاً ——— تسلیم کر لیا تھا۔ کچھ دنوں بعد انگریزوں کو ایسا محسوس ہوا کہ وزیر علی انکے کام کا نہیں ہے۔ اس لیے لاابالی اور عیاش قرار دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انگریز ریزیڈنٹ کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا تھا۔

انگریزوں نے اس کو معزول کر کے سعادت علی خاں کو جو آصف الدولہ کا بھائی تھا تخت پر بٹھا دیا۔ ان کے اور کمپنی کے درمیان سترہ اہم شرطیں قرار پائیں۔ وزیر علی خاں کی حکومت لکھنؤ میں چار مہینے اور کچھ روز رہی۔ وزیر علی خاں کی معزولی کا صدمہ لوگوں پر بہت ہوا۔ معزولی کے بعد وہ بنارس چلا گیا وہاں اس نے مسٹر چیری اور دیگر کمپنی انگریز افسروں کو مار ڈالا۔ جس کی وجہ سے کلکتہ میں قید تنہائی میں رہا۔ کچھ کتابیں تواریخ کی ایسی تنہائی کی ہیں۔ گورنر کا ٹول پہرہ تھا۔ وزیر علی شاعر بھی تھا۔ اس کی ایک غزل یہاں لکھی جاتی ہے جو اسکی داستانِ کلفت کو دہراتی ہے اس کا تخلص وزیری تھا۔؂

غزل :- نواب وزیر علی خاں وزیری

یوں سبزۂ رندہ رہ گئے ہی پیر نیچے ہم
اس گردش افلاک سے کیونکر نہ نکلے ہم

روتے ہیں شب و روز اسی فکر سے یارب
غنچے کی طرح باغ میں گل ہو نہ کھلے ہم

ارمان بہت رکھتے تھے ہم دل کے چمن میں
بیٹھے نہ خوشی سے کبھی سائے کے تلے ہم

جس گل پہ نظر کرتے ہیں آتا ہے نظر خار
گلشن کے بدلے جاتے ہیں کانٹوں کے تلے ہم

ہم وہ نہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے
نرگس کے نہالوں میں تھے آصف کے پلے ہم

افسوس کہ اس دل کا کنول کھلنے نہ پایا
کچھ دن کو چلے جاتے ہیں کانٹوں کے تلے ہم

اب پہلے ہی آغاز میں پامال ہوئے ہائے
فریاد کریں کس سے ہیں قسمت کے جلے ہم

دکھ اپنا عبث کہتے ہیں بے درد کے آگے
بے بس ہیں یہاں آ کر ہر گز نہ ٹلے ہم

زندانِ مصیبت میں بھلا کس کو بلائیں
رہتے ہیں وزیری بھی یہی دن رات جلے ہم

؂ واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن (ہندی) صفحہ ۲۶ مصنفہ پری پورنا نند ورما۔

نواب سعادت علی خاں

۱۲۱۲ھ تا ۱۲۲۹ھ المطابق ۱۷۹۸ء تا ۱۸۱۴ء

۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ وزیر علی خاں کی معزولی کے بعد ۱۳ شعبان ۱۲۱۲ھ کو مسند نشین ہوئے اس وقت انکی عمر ۴۵ سال تھی۔ مولوی تفضل حسین نے بڑے حسن تدبیر سے اپنا حق ادا کیا۔ نواب سعادت علیخاں نے بھی اپنی مسند نشینی کے لیے انگریزوں سے کچھ عہد و پیمان کئے۔ اپنے عہد کے مطابق انھوں نے ۷۶ لاکھ روپیہ انگریزوں کو دینا منظور کیا۔ اور یہ بھی طے کیا کہ اودھ میں دس بارہ ہزار انگریزی سپاہ رہے گی۔ انھوں نے بارہ لاکھ روپیہ انگریزوں کو بطور محنتانہ اپنی جانشینی کے سلسلے میں دیا۔ نواب نے یہ بھی اقرار کیا کہ بغیر کمپنی کی اجازت کے کسی ریاست سے خط و کتابت نہ کرینگے۔

نواب سعادت علی کو انتظام سلطنت کی پوری واقفیت و صلاحیت تھی اسلئے تخت نشینی کے بعد مناسب عہدوں پر لائق لوگوں کا تقرر کیا اور تفضل حسین خاں کو کلکتہ میں اپنا سفیر مقرر کیا۔ نواب موصوف دیوانی کے سیاق و سباق میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ نہایت جزرسی و کفایت شعار تھے اسلئے جلد ہی امور سلطنت پر حاوی ہوگئے۔ نواب نے کئی ہندوؤں کو جیسے بالکرشن رائے اور تلسی رام وغیرہ کو ذمہ داری کے عہدے دئیے[1]۔ مولوی سدن صاحب کو جو انکے استاد بھی رہ چکے تھے جیب خاص اور کچہری کاموں کے علاوہ عدالت کا کام بھی سپرد کیا۔

نواب سعادت علی خاں بڑے ہی منتظم تھے۔ انہوں نے غلہ کی آمد و رفت

۱؎: تاریخ اودھ جلد چہارم۔ مصنف حکیم نجم الغنی ص ۷۔

۲؎: ،، ،، ،، ص ۱۵

وغیرہ کا بڑا عمدہ انتظام کیا۔ نرخ مقرر کیا اور باٹ وغیرہ کی جانچ بھی کبھی کبھی کرتے تھے۔ اسلئے غلہ کا کاروبار خوب ترقی کر گیا۔ نتیجے میں خوشحالی بڑھ گئی۔ ان کے عہد حکومت میں لکھنؤ کی آبادی نے بڑی ترقی پائی [1]۔

انہوں نے اخبار نویسی کے محکمہ کو وسعت دی۔ جرائم پر قابو پانے اور انصاف دہی کا معقول و مناسب انتظام کیا۔ نواب سعادت علی خاں کی انشاء پردازی مشہور تھی۔ انہوں نے عبدالحکیم سے علوم مروجہ حاصل کئے تھے۔ ان کا خط بہت اچھا تھا۔ انہوں نے اپنے اتالیق غلام تفضل حسین خاں سے باقاعدہ طور پر خوشنویسی سیکھی تھی۔ اور خط شکست بھی خوب لکھتے تھے۔ وہ خوشخطی اور املا کی صحت کو اتنا ضروری سمجھتے تھے کہ اہل دفتر کے لیے خوشخط ہونا لازمی قرار دیدیا تھا۔ اور حکم جاری کر دیا کہ اگر کوئی ملازم سرکاری تحریر میں کسی طرح کی غلطی کریگا تو فی حرف ایک روپیہ اور فی نقطہ پانچ روپیہ جرمانہ کیا جائیگا۔ [2]

نواب سعادت علی خاں ارباب کمال کے ساتھ بہت لطف و عنایت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ عبدالحمید خاں، سبحان علی خاں اور تاج الدین حسین خاں کنبوہ ان کی قدردانی سے بہرہ ور تھے [3]۔ نواب موصوف ارباب نشاط کے بھی بڑے قدردان تھے۔ انکے زمانے میں پرکاش نام کا ایک رقاص الہ آباد سے آیا تھا۔ وہ اس سے اور لکھنؤ میں دیگر فن دانوں سے بازی مار لے گیا۔ وہ تاشے اور کھڑی پر رقص کرتا تھا۔ وہ علم موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ اگرچہ وہ ہندو تھا مگر نواب غیر متعصب اور پاک و صاف دل کے مالک تھے۔ پرکاش کی عمدہ تنخواہ مقرر کر دی تھی [4]۔ نواب شاعروں کی بھی بڑی قدر کرتے تھے۔

---

[1]۔ تاریخ اودھ جلد چہارم مصنفہ حکیم نجم الغنی ص ۷۲۔ [2]۔ تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۱۰۱،۱۰۰

[3]۔ " " " ص ۹۸۔

[4]۔ تاریخ " " ص ۱۰۲،۱۰۰۔ مصنفہ حکیم نجم الغنی۔

مرزا محمد تقی ہوسؔ اس زمانے کے بہت اچھے شاعر تھے۔ اپنی اس خوبی کی بدولت نواب کے مقرب خاص بن گئے تھے[۱]۔ سید انشاؔ بھی مصاحب خاص تھے۔ نواب صاحب کی فرمائش پر انھوں نے ایک کتاب "دریائے لطافت" لکھی۔ اس کتاب کے لکھنے میں مرزا قتیلؔ نے بھی حصہ لیا تھا[۲]۔ قواعد فارسی وغیرہ کے بیان میں کئی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے انکا ایک دیوان فارسی کا مشہور و معروف ہے ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ انکے رقعات و خطوط فارسی زبان میں خاص اہمیت رکھتے ہیں گیر بخش ادیب لکھنوٗ کے محلہ مفتی گنج کے رہنے والے تھے۔ ایک کہار کے لڑکے تھے۔ سن شعور پر پہنچ کر پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ لالہ بینی پرشاد ظریفؔ کے مکتب میں پڑھنے لگے۔ طبیعت موزوں تھی اردو اور فارسی میں شعر کہنے لگے۔ ظریفؔ نے ان کو میاں مصحفیؔ کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے ان کی چند اردو غزلوں پر اصلاح بھی دی۔ پھر ان کے شاگرد محمد عیسیٰ تنہاؔ نے ایک کہار لڑکے کی ہم نشینی کو نامناسب کہہ کر اصلاح موقوف کروا دی۔ انھوں نے مایوس ہو کر اپنا آبائی پیشہ (کہاری) اختیار کر لیا۔ کچھ مدت وہ نواب سعادت علی خاں کا تامجان اٹھانے والوں میں شامل رہے نواب صاحب ان پر بڑی مہربانی فرماتے تھے۔ ان سے شعر پڑھوا کر سنتے تھے اور خوش ہوتے تھے[۳]۔

---

[۱]۔ تاریخ اودھ جلد چہارم صد ۱۰۲، ۱۰۴

[۲]۔ " " " صد ۱۳

[۳]۔ ریاض الفصحاء صد ۳۶۔

غازی الدین حیدر

۱۲۲۹ھ تا ۱۲۴۳ھ المطابق ۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۷ء

رفاقت اللہ نام تھا لیکن غازی الدین حیدر کے نام سے مشہور ہیں ۲۴ر اگست ۱۷۷۴ء کو بمقام سبولی پیدا ہوئے تھے[1]۔ انکی ابتدائی زندگی کے بیشتر حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ انکے والد سعادت علی خاں ایک ادنی عورت[2] کے بطن سے تھے جس کا نام مشیر زادی بیگم تھا۔ اسے محل کے اندر یا باہر کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

نواب سعادت علی خاں کی وفات کے بعد ۲۲ رجب ۱۲۲۹ ہجری یعنی جولائی ۱۸۱۴ء کو یہ تخت نشین ہوئے[3]۔ اس سے قبل انکے اور گورنر جنرل کے بیچ میں ایک عہدنامہ ہو چکا تھا جسکی رو سے سابق کے عہد نامے جو پیشتر کے نوابوں سے قرار پائے تھے برقرار رہے[4]۔ نواب نے اپنے وعدے کو وفا کرنے کے لیے ایک کروڑ آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپیہ کمپنی کو دیا۔

غازی الدین حیدر نے تخت نشینی کے بعد آغا میر کو مدار المہامی کا عہدہ دیا اور خلعت عطا کی۔ دیا رشن[؟] واصلبائی تو لیس کو راجہ کا خطاب عطا کیا۔ نواب

---

[1] تاریخ اودھ حصہ چہارم صفحہ ۱۰۸

[2] تاریخ فرح بخش مصنفہ فیض بخش فارسی صفحہ ۲۶۳

[3] سوانح سلاطین جلد اول صفحہ ۲۰۵

[4] تاریخ اودھ جلد چہارم صفحہ ۱۰۹

نے سلطنت کے انتظام میں کئی تبدیلیاں کیں مثلاً اہلکاران کی تنخواہ مقرر کر دی۔ زمینداروں پر کل پیداوار کا ⅓ حصہ لگان مقرر کیا۔ اگر زمیندار شرائط کو نہیں مانتے تو ناظم نمائیندوں کی کمیٹی کے ذریعہ براہ راست کسانوں سے مقررہ لگان وصول کرا لیتے تھے۔ وصول یابی کا دس فیصدی کمیشن تحصیلدار کو ملتا تھا۔ ناظم کی ماتحتی میں تحصیلدار ہوتے تھے۔ تحصیلدار کو ضمانت داخل کرنی پڑتی تھی۔ [1]

ناظم کے مشورے سے تحصیلدار مختلف مقامات پر تھانے قائم کرتے تھے۔ تحصیلدار ہی تھانیداروں اور جاسوسوں کو مقرر کرتے تھے اور تنخواہ دیتے تھے۔ کل وصولیابی کا نصف اس مد میں خرچ ہوتا تھا۔ تھانیداروں اور جاسوسوں کو ایک ڈاکو کی گرفتاری پر دس روپئے دیئے جاتے تھے اور کھوئے ہوئے مال کے مل جانے پر گمشدہ مال کی قیمت کا دس فیصدی انعام کے طور پر دیا جاتا تھا۔

ناظم منصفی کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ محکمہ جیل بھی اسی کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ فوجداری اور زمین جائیداد کے مقدموں کا فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ نہ جائیداد کا نیلام بھی کر سکتے تھے۔ سبھی معاملوں میں صلاح دینے کے لیے مفتی ہوا کرتے تھے۔ اکثر بڑی جائیدادیں اندیہ جرم کے مقدموں میں تاوان میں نا اتفاقی ہو جایا کرتی تھی۔ ایسے متنازعہ معاملوں میں فیصلہ عدالت سے ہوا کرتا تھا۔ نواب کی عدالت ہی عدالیت عالیہ کہلاتی تھی۔

یہ بادشاہ بہت ہی نیکدل، عادل، منصف اور سخی تھا۔ نیک ہوتے ہوئے بھی فرائض کی انجام دہی کے معاملہ میں سخت تھا۔ بہت ہی حیرت کرنے والا تھا۔ کچھ لوگوں نے پانی سے چلنے والی آٹا چکی لگانے کی تجویز پیش کی

---

[1] غازی الدین حیدر پر تحقیقی مقالہ صد ۶۳۔ ڈھنگور لائبریری۔ غیر مطبوعہ

تو اس نے یہ سوچ کر اجازت نہیں دی کہ بہت سی غریب عورتیں جو صرف چکی پیس کر اپنا پیٹ پالتی تھیں بے سہارا ہو جائینگی لے۔

غازی الدین حیدر کتب بینی کے شائق تھے۔ انتظامی معاملوں میں مصروفیت کے باوجود وہ روزانہ اسکالر کی طرح مطالعہ کیا کرتا تھے۔ فارسی و عربی میں انہیں خاطر خواہ مہارت تھی انگریزی ادب سے بھی لگاؤ تھا۔ وہ اسے خوب سمجھتے بھی تھے۔ انھوں نے گورنر جنرل کو کچھ خطوط بھی لکھے تھے۔ جس سے ان کی انگریزی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ان سے انکی بیباکی کا بھی اظہار ہوتا ہے وہ صرف تماشائی کٹر انہ تھے بلکہ ایک بیدار مغز اسکالر بھی تھے۔ انہوں نے اپنے یہاں کئی نجومی بھی نوکر رکھے تھے جو ہر نوع بنوع علم نجوم کی نئی نئی معلومات سے مطلع کرتے رہتے تھے لے۔

نواب موصوف ذی علم افراد کی بڑی قدر کرتے تھے۔ قاضی محمد صادق اختر بڑے علم دوست شخص تھے وہ مختلف علوم اور ارد و نثر کے ماہر تھے جب وہ ریذیڈنٹ کے منشی کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تو غازی الدین حیدر نے انکو طلب کر کے ایک ہزار روپیے ماہانہ پر اپنے یہاں تقرر کر دیا اور تصنیف و تالیف کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ انکی تصنیف کردہ کتابوں میں "تذکرہ آفتاب عالم" "بہار اقبال" "مفید المستفید" "مجاہدہ حیدریہ" "گلدستہ محبت" "بہارِ بے خزاں" "لوامع النور" مشہور ہیں۔ سے

غازی الدین حیدر نے اختر کو "ملک الشعراء" کا خطاب بھی دیا تھا

لے:۔ غازی الدین حیدر پر تحقیقی مقالہ (قلمی) لکھنؤ یونیورسٹی صہ ۲۱۔

لے:۔ " " " صہ ۲۱۶،۲۱۵ سے:۔ خوش معرکۂ زیبا۔

سے:۔ شمع انجمن صہ ۶۳۔

ادیب کہار، سعادت علی خاں کے انتقال کے بعد غازی الدین حیدر کے عہد میں اپنے عہدے پر برقرار رہے۔ انہوں نے ایک قصیدہ لکھ کر نواب کی خدمت میں پیش کیا۔ انکو ایک رسالہ اور پانچ ہزار اشرفیوں کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا گیا اور نواب غازی الدین حیدر نے اسی دن ان کو کہاری کی ملازمت سے سبکدوش کر کے خزانۂ عامرہ کے گوشے کی تحریری پر مامور کر دیا اور انکی درخواست پر انکی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔ مصحفی نے ان کی عمر تیس سال کے قریب بتائی ہے۔ نیز انکو جوان اور مہذب الاخلاق لکھا ہے لے۔ نواب غازی الدین حیدر کو علم لغت سے بیحد دلچسپی تھی۔ "فرہنگ رفعت" کے نام سے ایک لغت انہوں نے خود تالیف کی تھی۔ بعد میں اس لغت کا نام بدل کر، "ہفت قلزم" رکھا گیا۔ یہ سات جلدوں میں چھپ کر تیار ہوئی اور شاہی مطبع سے ۱۲۳۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔

نصیر الدین حیدر

۱۲۴۳ھ سے ۱۲۵۳ھ ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۷ء

۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو غازی الدین حیدر کا انتقال ہو گیا۔ اور اسی دن ان کے فرزند نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوئے۔ اسوقت انکی عمر صرف چھبیس سال کی تھی۔ انکی طبیعت عیش و عشرت کی طرف زیادہ مائل تھی مگر عیاش طبع ہونے کے باوجود بھی وہ سلطنت کے نظم و نسق اور اسکے امور سے غافل نہیں ہوئے۔ وہ بہت شاہ خرچ تھے۔ غریبوں اور محتاجوں کی خدمت کے لئے ہمیشہ انکا ہاتھ کھلا رہتا تھا۔ انہیں غریبوں سے بڑی رغبت تھی۔

لے: ریاض الفصحا ص

ان کے یہاں سو کشمیری اور سو یہاں کی طوائفیں ملازم تھیں۔ وہ اچھے کھانے پینے
کے بہت شوقین تھے۔ اپنے اہلکاروں کو بھی اچھا کھانا کھلاتے تھے۔ ان کو
نئے نئے باغ لگوانے کا بھی بڑا شوق تھا۔ چار باغ، کمپنی باغ وغیرہ انہیں
کے عطیات ہیں۔ انہیں کے دوران سلطنت میں لکھنؤ باغوں کا شہر
بن گیا تھا۔[1]

نصیر الدین حیدر نے عوام کے مفاد کے لیے بہت سے کام کیے۔ انھوں
نے چند لاکھ روپیے سرکاری کمپنی کو تفویض کیے ان روپیوں کے دائمی
منافع سے پانچ ہزار روپیے ماہانہ عوامی فلاح کے کاموں کے لیے مقرر
فرمائے۔ لکھنؤ کے نادار طلباء کے واسطے مبلغ تین ہزار روپیے ماہانہ
عاجز اور معذور لوگوں کے واسطے مبلغ ایک ہزار، اور مبلغ ایک ہزار
دارالشفاء نیز غریب بیماروں کی دوا اور غذا کے واسطے مقرر فرمائے جس
سے عوام الناس تادم حیات مستفید ہوتے رہے۔[2]

نصیر الدین مغربی تہذیب کے بڑے دلدادہ تھے۔ انہوں نے ایسٹ انڈیا
کمپنی کو تین لاکھ روپیے چار فیصدی منافع پر اسلیئے دیئے کہ اس قرض کی سالانہ
آمدنی سے ایک محتاج خانے کے اخراجات برداشت کئے جائیں انہوں نے
پہلا انگریزی اسکول قائم کیا اور غریب طلباء کے لیے چھتیس ہزار روپیے سالانہ
وقف کر دیئے۔ لکھنؤ میں پہلا پریس انہیں کے عہد میں قائم کیا گیا انگریزی کی متعدد
علمی و ادبی کتابوں کے تراجم بھی ہوئے۔[3] منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں نے اس
پریس کو جو حیدر کے نام سے تھا اور لیتھوگرافک تھا ایسے آرچیڈ صاحب کو پانچ

---

[1]: واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن (ہندی) مصنفہ پری یونا تند ورما ص ۲۹

[2]: زبدۃ الخوائف۔ از مہاراجہ جے گوپال ثاقب (قلمی)

[3]: کیمبرج کی حکومت ولایہ بارہ [illegible]

سو روپے ماہانہ پر زیادہ۔ نصیر الدین حیدر کو شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔ جیسا کہ "زبدۃ الخوائف" کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ عالی طبع تھے اور اکثر اردو میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے[۲] انکی طبیعت شاعری سے بڑی مناسبت رکھتی تھی۔ وہ کبھی اردو میں کبھی فارسی میں شعر کہا کرتے تھے ان کے چند اشعار یہ ہیں[۳]

مرحبا اے سیدی عالم علم ذہبی	ماہ برج عجمی شاہ سریر عربی
چوں نشانید جبلیں بدر تو جن و ملک	سرور جملہ رسولان شد و جملہ نبی
اصل نور تو بود فرع ز انوار خدا	بعد ایزد نہ تو زیباست ہوا طلبی

بوے نطع بر ساں بادشاہم زاید باغ
اے گلے تازہ رنگے چمن المطلبی

اسی زمانے میں محمد صالح شاہجہاں پوری نامی ایک عالم گذرے ہیں جو غازی الدین حیدر کے حکم سے تقریباً بیس کتابیں تصنیف کر چکے تھے۔ انہوں نے لطیفوں کی ایک کتاب مرتب کر کے نصیر الدین حیدر کی نذر کی ہے

نصیر الدین حیدر کے عہد میں منشی ہر دھیان سنگھ ابن دیوان شمبو لال نے "شاہ نامہ فردوسی" کا خلاصہ فارسی نثر و نظم میں کر کے ۱۲۴۵ھ میں تمام کیا[۵] بادشاہ غازی الدین حیدر نے اپنے عہد میں ایک جامع اللغات تیار کرنے کے لئے عربی کے چند ماہرین کا تقرر کیا تھا مگر انکی زندگی میں یہ کام پورا نہ ہو سکا تھا

---

[۱]: قیصر التواریخ جلد اول ص۱۳۱ [۲]: آں حضرت (نصیر الدین حیدر) طبع عالی داشتند، بادشاہ تخلص نمودہ اکثر بزبان اردو معلی بہ شعر و سخن ہمت می گماشتند (زبدۃ الخوائف) [۳]: طبع موزوں داشت۔ احیاناً توجہ بہ انشائے اشعار اردو و فارسی می گماشت (تذکرہ روز روشن ص۱۱۰) [۴] لطائف الظرائف [۵]: یہ کتاب ۱۲۶۸ھ میں مطبع علی بخش میں چھپی تھی اسکی ایک جلد سعید حسن رضوی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

نصیر الدین حیدر نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس لغت کا نام "جامع اللغت" ہے اور یہ آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اسی دور میں "بحار الانوار" کی تیرھویں جلد کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا اور یہ ترجمہ نصیر الدین حیدر کی والدہ کی خواہش و حکم پر ہوا تھا۔ اس عہد میں تحسین علی خاں لکھنوی نے "راحت القلوب" نصیر الدین کے نام معنون کی یہ کتاب بہت ضخیم ہے مقبول احمد مقبول نے ایک مثنوی "درد الفت" کے نام سے ۱۲۵۱ھ میں تالیف کی اور نصیر الدین حیدر کے نام سے معنون کی۔ اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے:-

دردِ الفت ہر اک کے دل میں ہے — آگ یہ گل کے آب و گِل میں ہے

محمد علی شاہ

۱۲۵۳ھ تا ۱۲۵۸ھ المطابق ۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء

شاہ نصیر الدین حیدر کے انتقال کے بعد ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۸۳۷ء کو بادشاہ محمد علی شاہ تخت نشین ہوئے اس وقت انکی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ محمد علی شاہ سلطنت کے حقدار ہوں یا نہ ہوں یا انگریزوں سے آنکھیں بند کر کے انکا تخت نشین ہونا جائز ہو یا ناجائز یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن حکمران کی حیثیت سے نواب وزیر سعادت علی خاں کے بعد وہ سب سے لائق حکمراں تھے۔ اپنے شباب کے زمانے میں انہوں نے اپنے والد کا زمانہ دیکھا تھا۔ اسکے بعد وہ سالہا سال گوشۂ عافیت میں زندگی بسر کرتے رہے انہیں سلطنت اسوقت ملی جبکہ وہ کافی بیمار تھے اور سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ مگر تخت پر متمکن ہوتے ہی سلطنت

کے کاموں میں مشغول ہو گئے لہ۔

انھوں نے اپنے عہد میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ اجارہ اور ٹھیکہ کے رواج کو ختم کر کے انہوں نے امانی رواج کو زندہ کیا انہیں اپنے لائق وزیر حکیم مہدی علی سے بڑی مدد ملی۔ محمد علی شاہ کا عہد بہت اچھا تھا۔ رعایا خوشحال تھی اور خزانہ روپیوں سے معمور تھا ٣ہ۔ ملکی اور مالی حالات درست کرنے کے بعد بادشاہ شہری آبادی کی طرف متوجہ ہوئے اور شہر کا گشت شروع کیا۔

انہوں نے پانچ سال کی قلیل مدت میں بہت سی عمارتیں، سرائیں مسجدیں وغیرہ تعمیر کرائیں۔ انکی ایک خامی پر نظر پڑتی ہے کہ انہوں نے نئے والد کی تعمیر کردہ عمارتوں، باغات وغیرہ کی دیکھ بھال نہیں کی جس سے وہ ویران ہو گئے ٣ہ۔

محمد شاہ نے اپنے عہد میں بہت سارے فضول اخراجات بالکل بند کر دیئے اس کی زد میں آ کر رسد خانہ بھی بند ہو گیا مگر کرنل کے مشورے سے اسے پھر جاری کر دیا گیا۔ ساڑھے چار لاکھ روپیہ اسکی تعمیر میں صرف ہوا۔ پچاس ہزار روپئے سے بیھ دوربینوں کے لیئے مرزا پور اور بنارس سے آئے اور لاکھ روپے کے آلات رسد گرین وچ اور لندن سے منگائے گئے تھے ٤ہ۔

محمد علی شاہ نے ادب کی ترویج و ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ انہیں کے زمانے میں سائنس وغیرہ کی ۸ا کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا اور اودھ کی تاریخ

لہ:۔ واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن۔ مصنف پری پورنا نند ص٦٥

٢ہ:۔ تواریخ سلاطین اودھ جلد اول۔ مصنف کمال الدین حید رزا کرص ٢٥٢

٣ہ:۔ افضل التواریخ۔ مصنف رام سہائے تمنا ص ٢٢٦۔ مطبوعہ۔ مطبع تمنا ١٨٧٩ء

٤ہ:۔ قیصر التواریخ جلد دوم ص ١١١

بھی لکھی گئی۔ اس تاریخ کو محمد علی شاہ کے نام سے معنون کیا گیا۔

راجہ رتن سنگھ زخمی محمد علی شاہ کے زمانے میں ترقی پاکر امیر الانشاء مقرر ہوئے۔ وہ فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ انھوں نے سلطان التواریخ، شرح گل کشتی، انیس العاشقین اور حدائق النجوم وغیرہ کتابیں بھی فارسی میں تصنیف کی ہیں۔ محمد علی شاہ کے زمانے میں مطبع شاہی کی چھپی ہوئی کتابیں لیتھو گرافی کے بہترین نمونے ہیں۔ خط طغرا میں چھپے ہوئے قرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیشک محمد علی شاہ کے زمانے میں رعایا خوشحال رہی نیز ادب اور فن کو بھی ترقی نصیب ہوئی۔ افسوس کہ ایسا بادشاہ پانچ سال سے زیادہ حکومت نہ کرسکا۔ اتفاقاً طبیعت خراب ہوئی اور کسی بھی طرح کا علاج کارگر ثابت نہ ہوا اور ۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ کو انتقال فرما گئے [۱]۔

نواب امجد علی شاہ

(۱۲۵۸ھ سے ۱۲۶۳ھ ہجری (۱۸۲۷ء تا ۱۸۴۲ء)

نواب امجد علی شاہ اوائل ماہ رمضان ۱۲۱۵ ہجری کو نواب سعادت علی کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اپنے والد محمد علی شاہ کے انتقال کے بعد ۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ ہجری کو منگل کے دن تخت نشین ہوئے [۲]۔ تخت نشینی کے تین ماہ بعد انھوں نے نواب وزیر اشرف الدولہ محمد ابراہیم خاں کو انکے عہدے سے برطرف کردیا۔ فوج میں بھی کمی کردی نیز دیگر اخراجات بھی کم کردیئے [۳]

۱: تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۳۶۷ ۔ مصنف کمال الدین زاہد

۲: تواریخ نوادر العصر صفحہ ۱۱۱ ۔ ۳: تاریخ اودھ ۔ مصنف کمال الدین زاہد صفحہ ۳۶۔

دیوانی کا عہدہ فخر الدولہ راجہ رتن سنگھ سے لیکر مہاراجہ بال کرشن کو دے دیا گیا۔ اس طرح اپنے والد کے زمانے کے بیشتر لائق اور وفادار ملازموں کو انہوں نے معزول کر دیا۔ اور بھی بہت ساری تبدیلیاں کیں۔

سلطان الاخبار میں لکھا ہے کہ "انکے وقت میں انتظام کا یہ حال تھا کہ صبح سے دوپہر تک مالی و ملکی حالات کے کاغذات اور داد خواہوں کی عرضیاں ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور رات کو پرچہ ہائے اخبار دیکھتے تھے نیز مستغیثوں کی عرضیوں پر منشی جو الارشاد سے حکم لکھواتے تھے۔ انکے زمانے میں انکے والد کے عہد کے تمام قوانین درہم برہم ہو گئے تھے۔ انمیں سے ایک یہ بھی تھا کہ ملازموں کی تنخواہ کی ادائیگی کا قاعدہ بدل گیا تھا"۔ [1]

نواب امجد علی شاہ اگرچہ نماز روزے کے پابند تھے مگر انکی عیاشی بھی بہت مشہور تھی۔ یہ متعصب بھی تھے اور صرف اپنے ہی مذہب کی ترقی چاہتے تھے۔ ان کے عہد میں سلطان العلماء اور شیعہ مفتیوں کا خوب دور دورہ تھا جو اہل ہنود اور اہلسنت والجماعت کے عروج کو حسد کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انکے اس غلط رویئے کی وجہ سے بے شمار ہندو و مسلمان اور بہت سے سنی شیعہ ہو گئے تھے [2]

امجد علی شاہ نے رعایا کی فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام کئے مدرسہ شاہی کی بنیاد ڈالی۔ اور رسد گاہ کی تکمیل کی۔ تین لاکھ روپئے صرف کر کے دریائے گومتی پر ایک پل بنوایا جو آہنی تھا۔ لکھنؤ اور کانپور کی سڑک بنوائی جس پر پانچ لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔ انکے عہد میں کمپنی اور افغان سرکار میں جنگ چھڑ

---

[1] تاریخ اودھ حصہ پنجم صفحہ ۳۷ مصنفہ حکیم نجم الغنی۔

[2] واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن صفحہ ۶۰

گئی تھی اس جنگ میں سات سو گھوڑے اور بیس لاکھ روپیہ بطور امداد نواب نے دیا تھا۔

امجد علی شاہ نے اپنے عہد میں ادیبوں کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ راجہ کندن لال اشکی بڑے عالم فاضل شخص تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ انکی تصانیف میں تقریباً بیس کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اسکے علاوہ اشکی کے لکھے ہوئے کئی عربی اور فارسی کے رسالے بھی حال ہی میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اشکی امجد علی شاہ کے دربار میں ایک ممتاز عہدہ پر تھے

حاجی مرزا امداد علی لکھنوی نے "ثابت نامہ منظوم" لکھا تھا انھوں نے تفسیر منہج الصادقین کا ترجمہ فارسی سے ہندی میں کیا۔ اسکے علاوہ بھی متعدد کتابوں کے ترجمہ ہندی میں کئے ^ل^۔

امجد علی شاہ کی فرمائش پر سید دلدار علی نے "تفسیر القرآن" چار سال کی مدت میں مکمل کی۔ یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے ^۲^۔ امجد علی شاہ کے حکم سے سید عبداللہ نے "خلاصتہ الاعمال" شائع کی۔ محمد بخش صاحب نے اسی زمانہ میں "سبعہ سیارہ" نامی کتاب بادشاہ کی ایما پر مرتب کی اس کتاب میں سات قصے ہیں ^۳^۔

واجد علی شاہ

۱۲۶۳ ہجری تا ۱۲۷۲ ہجری المطابق ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء

واجد علی شاہ سلطنت اودھ کے آخری تاجدار تھے۔ وہ ذیقعدہ ۱۲۳۸ھ

[۱] اقتباس از نذر واکر شاہان اودھ کا علمی ذوق صفحہ ۲۲ سید مسعود حسن رضوی
[۲] " " " [۳] دیباچہ سبعہ سیارہ از مولانا محمد بخش۔

یعنی ۳۰ جون ۱۸۲۲ء کو نواب غازی الدین حیدر کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے [1] انکے والد کا نام امجد علی شاہ تھا۔ انکی والدہ کا نام ملکہ کشور تھا۔ یہ اپنے والد کے بڑے بیٹے نہیں تھے بنابریں اسکا کبھی گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ بچہ کبھی اودھ کی سلطنت کا وارث بنے گا۔ خود انکے والدین نے بھی انکو وارث قرار نہیں دیا۔ لیکن یہی بچہ اودھ کی سلطنت کا آخری تاجدار ثابت ہوا۔

واجد علی شاہ کی تعلیم و تربیت اور پرورش دوسرے شہزادوں کی طرح ہی ہوئی۔ ابتدا میں انہوں نے فارسی پڑھی، شہ سواری، تیراندازی اور بندوق چلانا سیکھا۔ اسکے بعد اس زمانہ کے مشہور عالم و شاعر ان کے اتالیق مقرر ہوئے [2] واجد علی شاہ ان سے اردو غزل میں اصلاح لینے لگے پندرہ سال کی عمر میں انکی شادی نواب علی نقی خاں کی لڑکی کیا تھو جنوری ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کی پانچ بجے شام کو امجد علی شاہ کا انتقال ہوگیا۔ اسی روز یا دن گذر جانے کے بعد ۹ بجے شب کو بعد نماز عشاء کسی شور و غوغا یا کسی مداخلتِ خارجی کے بغیر واجد علی شاہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی اور وہ باقاعدہ طور پر اودھ کی سلطنت کے بادشاہ ہوگئے [3]

بادشاہ نے تخت نشینی کے بعد ہی سلطنت کے انتظام کا کام بڑی ہی مستعدی سے شروع کیا۔ وہ روز دفتر جاتے تھے۔ مستقل طور پر روزانہ بہ نفس نفیس دفتر کے کام کو دیکھتے تھے۔ ہر محکمہ کا افسر اعلیٰ برابر اپنے کام پر متوجہ رہتا تھا۔

لہ: افضل التواریخ مصنفہ رام سہائے تمنا صفحہ ۹۶

۲ہ محل خانہ شاہی صفحہ ۲۱ - و - زبدۃ الکوائف صفحہ ۵۵

۳ہ - تاریخ اودھ حصہ چہارم صفحہ ۵۵ و افضل التواریخ صفحہ ۱۰۶۔

انکے زمانے میں ۲۶ محکمے تھے۔ انھوں نے ایک جدید محکمہ بھی قائم کیا تھا۔ جسمیں قرض کے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ انھوں نے اس محکمہ کا قانون بھی مرتب کرایا تھا۔ عوام کی شکایات جاننے کے لیے بادشاہ نے یہ اصول بنا رکھا تھا کہ شام کو جب بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تو دو ترک سپاہی اپنے سر پر چاندی کا بکس رکھکر پیچھے پیچھے چلتے تھے، ہر خاص و عام کو اجازت تھی کہ وہ اپنی عرضی ان بکسوں میں ڈالتا جائے۔ واپسی پر وہ بکس کھولا جاتا تھا اور یافتہ عرضیوں پر کارروائی ہوتی تھی۔ اس بکس کو "مشغلہ نوشیروانی" کہتے تھے[1]۔ نجم الغنی مصنف تاریخ اودھ لکھتے ہیں۔

"ابتدائے شوق میں اکثر بادشاہ بہ نفس نفیس خود میدان پریڈ میں جاکر فوج کی قواعد، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور تفنگ اندازی کی مشق ملاحظہ فرماتے تھے۔ تین چار ساعت تک گھوڑے پر سوار ہوکر قواعد دیکھتے اور خوش ہوکر انعامات اور خطابات عطا فرماتے تھے۔ مگر ارباب نشاط کے زور نے ان کے اس شوق کو قائم نہ رہنے دیا[3]"

واجد علی شاہ کی یہ مستعدی انگریزوں کو بالکل پسند نہ تھی وہ تو اودھ پر کسی نہ کسی طرح قبضہ کرنا چاہتے تھے اسلئے یہ ضروری تھا کہ وہ عوام میں واجد علی شاہ کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کریں۔ اس نقطۂ نظر سے انگریز مورخوں نے اس نواب کو خوب بدنام کیا۔ لیکن حقیقت اسکے برعکس ہے۔ انگریزوں نے سازش کرکے ایک حکم کے ذریعہ انکی ماں کو اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ اگر

لہ:۔ افضل التواریخ صـ۱۳۳۔

ـ۲ـہ:۔ واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن۔

ـ۳ـہ:۔ تاریخ اودھ حصہ چہارم صـ۱۶ـ از نجم الغنی۔

وہ زیادہ محنت سے کام کریں گے تو انکی صحت خراب ہو جائیگی۔ انکی ماں اس
مغالطہ میں آگئیں انہوں نے واجد علی شاہ سے قواعد کا معائنہ وغیرہ کرنا اور دفتر
میں زیادہ دیر تک کام کرنا بند کرادیا۔ یہی نہیں بلکہ انکو عیش و نشاط کی طرف مائل کر
دیا گیا۔ یہاں تک کہ انکو شراب نوشی کی طرف بھی راغب کرنے کی کوششیں
کی گئیں [1]۔

درباری سازشوں نیز انگریزوں کی جانب سے کی جانے والی مداخلت
سے شاہ پریشان ہو چکے تھے لہٰذا اپنے غم کو کم کرنے کے لئے انہوں نے موسیقی
اور شعر و شاعری کی طرف رجوع کیا۔ نواب محترم نے ہندوستانی ڈرامہ کے فن
کو جو نہایت ہی انحطاط و زوال پذیر تھا۔ اس کو ازسرِنو زندہ کیا۔ بادشاہ فنکاروں
کی بڑی عزت کرتے تھے اور فراخدلی سے انکو مالی امداد پہنچاتے تھے۔ وہ بڑی سرگرمی
اور گہری عقیدت کے ساتھ محرم اور عزاداری میں حصہ لیتے تھے۔ اسی طرح ہولی
دشہرہ نیز دیوالی کا تہوار بھی بڑی دھوم دھام نیز کافی قلبی توجہ کے ساتھ مناتے
تھے۔ چونکہ بادشاہ، ہندو مسلمان دونوں کے تہواروں میں حصہ لیتے تھے لہٰذا قدرتی
طور پر فرقہ واریت کے جذبات اخلاص کے پانی سے دھل گئے تھے۔ فریقین میں
اخلاص و محبت اور اتحاد کی گہری لہر دوڑ گئی تھی [2] یہ چیز انگریزوں کو نہایت
شاق اور انکی طبیعت پر بارِ گراں تھی۔

انگریز مورخین نے اودھ کی حکومت کو ختم کرنے، واجد علی شاہ کی جڑ
کاٹنے اور اپنی حکومت و سیاست کی شہرت کے لئے اعلیٰ حضرت واجد علی شاہ
کو بے بنیاد طریقہ پر عیش کوش و نفس پرست مشہور کیا۔ لیکن اصلیت کا اس
سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ انھوں نے کبھی بھی غیر منکوحہ عورت سے کسی طرح
کا نفسیاتی و جسمانی تعلق ہی نہیں رکھا۔ کسی ہندو عورت کی طرف انہوں نے

حوالہ جات صہ ۹۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نے آنکھ تک نہیں اٹھائی ہے (گذشتہ لکھنؤ کے اقتباس)

انگریز اودھ پر قبضہ کرنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ پہلے وزیر نقی علی خاں کو اس بات پر راضی کیا گیا کہ واجد علی شاہ کسی طرح سلطنت چھوڑ دینے کے راضی نامے پر دستخط کر دیں لیکن انگریزوں کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی کیونکہ واجد علی شاہ نے ترکِ سلطنت کے راضی نامے پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تو ان کو زبردستی اودھ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا اور پندرہ لاکھ روپے سالانہ جو ملکِ اودھ کی آمدنی کے ساتویں حصے سے کچھ زیادہ ہے بادشاہ کا وظیفہ مقرر ہوا جس وقت وہ لکھنؤ سے روانہ ہوئے انہوں نے اپنے محل کے چاروں طرف روتی اور بلکتی ہوئی رعایا کو دیکھا اور یہ شعر پڑھا۔

درو دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

وہ لکھنؤ سے کانپور پہنچے۔ کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ انکے کلکتے تک کے سفر میں ہر جگہ انکا سرکاری طور پر استقبال کیا جائیگا لیکن کمپنی کے سارے ہی وعدے جھوٹ ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے ٹھہرنے کا خود ہی انتظام کرنا پڑا اور سارے اخراجات خود ہی برداشت کرنے پڑے۔ انکے بعد تیسرا قیام انہوں نے بنارس میں کیا بنارس کے راجہ صاحب نے سات ہزار روپے بطور نذرانہ اور پانچ سو روپے خیرات کے لیے پیش کیے۔ بادشاہ کئی روز تک انکے مہمان رہے اور وہاں سے بذریعہ اسٹیمر کلکتہ پہنچے۔

حواشی ۹۳ سے آگے ... ۵۱

"IT IS INDEEDA REMARKALE THING THAT HENEVER TOUCHED WINE" AVADH UNDER WAJID ALI SHAH G.G. DR BHATNAGAR. یعنی

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انھوں نے کبھی شراب استعمال نہیں کی۔

۵۲: واجد علی شاہ اودھ راج کا تبق۔ صفحہ ۹۱ از پری پورنا نند ورما۔

۵۳: " " " " " " صفحہ ۹۳ " " " "

جب وہ کلکتہ پہنچے اور وہاں قیام کر لیا تو اسکے کچھ ہی عرصہ بعد غدر شروع ہو گیا۔ اسلئے نواب واجد علی شاہ کی سخت نگرانی ہونے لگی اور انکے آدمیوں پر بھی سخت نگاہ رکھی جانے لگی۔ یہاں تک کہ انہیں گرفتار کر کے فورٹ ولیم میں نظر بند کر دیا گیا۔ جیل میں انہیں کافی اذیت پہنچائی گئی تاہم اسکے باوجود نواب وہاں محفل شعر و سخن میں مشغول رہے۔ "مثنوی حزنِ اختر" انھوں نے جیل ہی میں لکھی تھی۔[1]

جیل سے رہا ہونے پر انکی زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہ گیا تھا ماں، بھائی وغیرہ مر چکے تھے۔ اور اقربہ غدر میں تباہ و ہلاک ہو چکے تھے۔ نہ تو انکے پاس پیسہ تھا، نہ عزت۔ جیل کی زندگی کا ان پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا اگر کچھ مدت وہ جیل میں مزید رہتے تو وہیں پر انکا انتقال ہو جاتا۔ ایسی حالت میں بھی وہ کلکتہ کے مشاعروں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ انکے فارسی کلام کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

غزل

بر رخم حسن بتاں جلوہ کناں آمدہ اند — نو عروساں لب شکریاں آمدہ اند

بنشیں لمحہ تو در نیتی این خانہ خراب — بہر نالہ و شدن یارِ تو دانگی مدہ اند

حلقہ در گوش کن و حیلہ بکش بر رخ باش — خبر خویش بشنو زاغ کمال آمدہ اند

کشتۂ کوئے صنم خواب مکن چشم کشا

استخوان ندر کن اے مردہ سگان آمدہ اند

۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو بمطابق ۳ محرم ۱۳۰۵ھ کو رات کے وقت قریب پچھتر سال کی عمر میں مٹیا برج میں انکا انتقال ہو گیا۔[2]

---

[1] واجد علی شاہ اور اودھ راج کا تین صد ۶۶

[2] افضل التواریخ صد ۱۳۲

واجد علی شاہ نہایت علم دوست واقع ہوئے تھے۔ شاعروں اور عالموں کے مربی تھے۔ انکے عہد میں تمام علوم و فنون پروان چڑھے، لکھنؤ علم و ہنر اور شعر و شاعری کا مرکز و گہوارہ بن گیا تھا۔ جناب مولانا مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی فرماتے ہیں۔

"واجد علی شاہ کا علمی ذوق نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا تھا۔ انکی علمی استعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ وہ عربی کے ماہر تو نہ تھے مگر کافی دسترس تھی۔ فارسی میں انکا درجہ شاید ابوالفضل سے کچھ ہی کم رہا ہوگا۔ دم بھر میں دو چار بند کی نثر لکھ ڈالتے تھے جو مشہور نامور فارسی شاعروں کے کمال کو یاد دلاتے ہیں۔ رفعت الدولہ، لائق الدولہ جیسے صاحب کمال نثر نگار وابستہ دامانِ دولت تھے۔"

ڈرامہ اور ایکٹنگ کا فن قدیم ہندوستان میں بہت ترقی کرنے کے بعد زوال پذیر ہو رہا تھا۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ تو علوم و فنون کا مرکز تھا ہی انکی قدردانیوں اور فیاضیوں نے مٹیا برج کو بھی چھوٹا سا لکھنؤ بنا دیا تھا۔

اودھ کے سیاسی اور ثقافتی پس منظر سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اودھ کی حکومت شمالی ہندوستان کی سب سے اہم اور عظیم الشان حکومت تھی اگرچہ اس کا وجود تقریباً ڈیڑھ سو برس سے زیادہ نہیں رہا اس سلطنت کے زمانے میں انگریز ابتدا ہی سے مداخلت اور سازشیں کرتے رہے جس کی وجہ سے نوابانِ اودھ ہمیشہ پریشان رہا کرتے تھے ان کی پیچیدگیوں کے باوجود بھی انہوں نے علم و ادب کی سرپرستی اور تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ اودھ اس زمانے میں تہذیب و تمدن کا مرکز بنا ہوا تھا۔

نوابانِ اودھ میں صرف امجد علی کو چھوڑ کر بقیہ سبھی نواب غیر متعصب تھے۔ انکے عہد میں ہندوؤں کی تعداد میں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ خزانہ اور

انشاء تو ہندوؤں کا خاص محکمہ تھا۔ یہاں تک کہ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں لفظ "منشی" کا اطلاق عام طور پر فارسی داں ہندوؤں کے لیے ہی ہوا کرتا تھا۔ اس عہد میں ہندو، دیوان، ناظم، مدیر، بخشی وغیرہ عہدوں پر بکثرت فائز تھے۔ اس زمانے میں عہدہ کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ انتظامی معاملوں کے علاوہ امیدوار اور کن کون سے علم و فن کی مہارت رکھتا ہے۔

انہی زمانے کے خاص نامور ہندو عہدہ داروں میں راجہ نول رائے (بخشی صفدر جنگ)، راجہ بینی پرشاد (مدار المہام شجاع الدولہ)، راجہ ٹکیت رائے (مہتمم دیوان آصف الدولہ)، راجہ نول کشور، راجہ بیر چند، راجہ سیوہ رام (بعہد نصیر الدین)، امرت لال (عرض بیگی غازی الدین حیدر)، منشی جوالا پرشاد ونتار، راجہ رتن سنگھ زخمی، راجہ کندن لال اشکی، منشی صاحب رام خاموش وغیرہ ملک کے نظم و نسق پر چھائے ہوئے تھے۔ مسلم نوابوں اور بادشاہوں کے یہاں ذمہ دار عہدوں پر ہندوؤں کا فائز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حکمراں کو ان پر اعتماد کامل تھا اس میں شک نہیں کہ کبھی موقعوں پر ان غیر مسلم اہلکاروں نے اپنی جانیں ان پر نچھاور کر دی ہی نہیں بلکہ اپنے لڑکوں کا سر قلم کر کے پیش کیا اور اپنے مالک کی حفاظت کی۔ اس طرح اپنی وفاداری کا غیر فانی ثبوت پیش کیا۔

ایک طرف یہ حضرات ملکی و انتظامی معاملوں میں مصروف کار تھے تو دوسری طرف شعر و شاعری تصنیف و تالیف اور ادبی نششتوں میں اپنا وقت گذارتے تھے اور شاعروں اور ادیبوں کی پرورش و ہمت افزائی اپنا فخر سمجھتے تھے۔

ان حضرت کے اپنے بڑے بڑے کتب خانے بھی ہوتے تھے جس میں مختلف نوادرات بھی جمع ہوتے تھے۔ اس زمانے میں عام طور پر اچھے رئیسوں کے یہاں کتب خانے ضرور ہوتے تھے۔ اگرچہ یہ کتب خانے اب منہدم ہوکر آثار قدیمہ کی حیثیت سے بطور یادگار رہ گئے ہیں۔ غدر کے زمانہ میں طوائف الملوکی کا یہ عالم ہوا کہ موجودہ میڈیکل کالج سے لے کر نخاس و چوک تک ان کتب خانوں کی کتابیں سڑک پر بکھری پڑی رہتی تھیں اور لوگ بے قدری اور بیدردی کے ساتھ ان کتابوں کو پیروں سے روند کر گزر جاتے تھے[۱]۔ یہ کتابیں ردی کے بھاؤ فروخت کردی گئیں شکر ہے کہ بریلی سے حافظ الملک رحمت خاں اور شاہان اودھ کی کچھ کتابیں رامپور چلی آئیں جو آجتک وہاں محفوظ ہیں اور سرمایہ افتخار بنی ہوئی ہیں۔

غدر سے کچھ قبل نوابان اودھ کے کتب خانوں کی ایک فہرست ڈاکٹر اسپرینگر نے تیار کی تھی۔ اسپرینگر صاحب جرمن تھے اور یہاں کے عربی فارسی مدارس کے نگراں تھے۔ انکی عربی فارسی کی قابلیت غیر معمولی تھی[۲] انکی تیار کی ہوئی فہرست کی چار جلدوں کا پتہ چلتا ہے۔ شاید ایک دو دستیاب بھی ہوئی ہیں۔ انکی کتاب تحقیق کے کام کے لیے مشعل ہدایت ہے اگر انھوں نے یہ کام نہ کیا ہوتا تو ہم بالکل تاریکی گمراہی اور ناواقفیت کے عالم میں رہتے انکی یہ فہرست تحقیق کا کام کرنے والوں کے لئے بے حد ممد و معاون ہے اودھ کے کتبخانوں کی تمام کتابیں آج بھی برٹش میوزیم انڈیا آفس لائبریری اور بودلین جرمنی کے کتبخانوں میں محفوظ ہیں۔

---

[۱]: معارف نمبر جلد ۲۹ ص۱۳ ۔ [۲] کربل کتھا۔

اس مقالہ میں انہیں کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو نوابی عہد میں اودھ کے ہندو، فارسی علماء نے مختلف موضوعات پر تصنیف کی تھیں ان کتابوں کا ریویو نہایت ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ نوابانِ اودھ کی زیر سرپرستی اودھ کے ہندوؤں نے کتنی گراں قدر ادبی خدمات انجام دیں اور اس گنگا جمنی تہذیب کے فروغ و ارتقاء میں کتنا اہم حصہ لیا۔

باب سوم

اودھ کے مشہور فارسی ہندو شعراء

۱۔ احقر

پنڈت بینی رام المتخلص بہ احقر لکھنؤ کے باشندے تھے بعد میں بنارس شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ رنگین طبع تھے۔ ارباب کمال میں شمار ہوتا تھا۔ ان کو شہرت عامہ حاصل تھی۔

دیر ست بجز آن زلفِ رخِ یار نداریم … با سنبل و گل ہیچ سروکار نداریم

تا زخمِ تیرِ نگہ سر خطا نیم … با چارۂ بخیر مرہم زنگار نداریم

۲۔ اخلاص

مہاراج سکھ رائے داس برہمچاری محلہ نواب گنج لکھنؤ کے باشندے تھے۔ شعر و شاعری کا زبردست شوق تھا۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ صاحبِ دیوان تھے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں بعمر ۷۰ سال انتقال فرمایا [۱]

۳۔ آذر

پنڈت جوالا پرساد صاحب پارسو برج باسی خلف پنڈت دیبی پرساد صاحب پارسو المتخلص بہ شوکت آپ لکھنؤ میں قیام فرماتے تھے۔ اوائلِ عمر میں اپنے بڑے بھائی پنڈت

---

۱ تذکرہ روزِ روشن صفحہ ۱۳۱

۲: تذکرۂ ہندو شعراء موسوم بہ "بہارِ سخن" مؤلفہ بابو شیام سندر داس

گنگا ناتھ رندؔ کے ساتھ رہتے تھے بعد میں بریلی اور اکبرآباد میں رہے پھر بسلسلہ ملازمت محکمۂ پولیس مظفر نگر، شاہدرہ، اور متھرا میں متعین رہے۔ باقی زندگی پنشن لیکر متھرا میں، اسبر کی فنِ شعر میں اپنے بڑے بھائی رندؔ سے مشورہ لیتے تھے۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۲ء کو ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ کلام میں روانی اور طبیعت میں فقیری تھی آذرؔ تخلص تھا ایک مخمس کے صرف دو بند بطور نمونہ پیش ہیں۔

مخمسِ فارسی بر غزلِ عصمت بخارائی

غیر وحدت نہ در آمد بہ نظر آثارے — کہ بجز جلوۂ یک گل نہ در آنجا خارے
محو نظارۂ آئینہ بود دلِ من بارے — چشم آید ز سرے کوچہ پری رخسارے
کافر عشوہ گری زلف چو زنار بدوش

ہمہ چہ کافر کہ در نقش آئینۂ نور خدا است — زلفِ او دام دلِ مومن و گبر و ترسا ست
قدرتِ حق ز سراپائے وجودش پیدا است — گفتم این کوچہ کوے است و ترا جا کجا ست
اے مہ نو خم ابرو — ترا حلقہ بگوش

ان کی چند غزلوں کے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پائے بنہادہ ام بہ رہِ کعبہ و حرم — پائے دگر بکوچۂ جانانہ آشنا است

و دیگر

نیم جانے بے تو ام باقیست بر لب جانِ من — گر ترا باور نباشد این بیا و بین مرا
بگذرم چوں ز سیر عشق بتاں اے آذرؔ — گر ازل باشد ضمین لت [illegible] این مرا

نہ دل با من نہ در خود نہ جانم در تن است امشب — چہ آفتہا ز ہجر یار بر من حالت است امشب
خطر دارم از بتا بیش در محفل خوبان — بہ پہلوئے من این دل نشستگی وحشت امشب
چہ کارست تغیر بے آب گل خندان گرام — کہ از بخت وصلم گلہا تر و دامن است امشب

۴۔ آشکی آپکا نام راجہ کندن لال تخلص آشکی ہے۔ آبائی وطن اجین تھا۔ آپکے والد کا نام منولال فلسفی تھا۔ ۱۲۱۱ھ یعنی ۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ زمانے کے نامور استادوں سے مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ عربی فارسی "ترکی" و سنسکرت تو استادوں سے پڑھی لیکن انگریزی یونانی اور عبرانی زبانیں خود سیکھیں۔ سترہ سے زیادہ علوم میں ان کو دخل تھا۔[۱]

جناب سید محمد تصدیق صاحب آشکی کے بارے میں رقم طراز ہیں:۔

"راجہ کندن لال آشکی مولدش شہر بریلی بود در سرکار شاہ اودھ بعہدۂ منشی الملوکی سرفرازی داشت و مدت العمر در شہر لکھنؤ بسر نمودہ۔ علوم حکیمہ را بخدمت مولانا شاہ رفیع الدین استفادہ نمودہ و فنونِ معقولاتش مستحضر بود۔ مدتِ سی سال کم و بیش گذشتہ کہ ازین جہاں گذشت۔[۲]"

۵۔ انس لالہ بیجناتھ پرساد انس، منشی سیوک رام کے فرزند اور لکھنؤ کے باشندے تھے اور ذات کے کائستھ تھے۔ ان کا درج ذیل مطلع ملاحظہ فرمائیں۔

انس

قفس لب باز نشادیم ما
از فراموشانِ صیادیم ما

---

[۱] لکھنؤ یونیورسٹی جرنل ستمبر ۱۹۲۷ء۔ سید مسعود حسن رضوی کے مضمون کی بنا پر۔

۶- انس — منشی لالچند انس لکھنؤ کے باشندے تھے۔ شعر گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ حالاتِ زندگی ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ صاحب دیوان تھے۔ انکا مطبوعہ کلام موجود ہے۔ بطور نمونہ کچھ اشعار پیش خدمت ہیں لے

غزل

بود یارب کجا شائستہ مدحت زبانِ ما — خیال مطبوع ارباب سخن گردد بیانِ ما

اگر می گوئیم حمد تو نہ روز و شب شکر ترا گوئیم — دگرنہ از خموشی مُہر باشد بر دہانِ ما

تو از ملکِ عدم سوے وجود آوردہ ای ما را — نبودہ پیش ازین اندر جہان نام و نشانِ ما

امید مغفرت ہا انس دارد ہر نفس از تو

گناہش گرچہ افزون است یارب از بیانِ ما

آہ یک روز نشد وعدۂ وصل تو وفا — تا کنید کار کسے صبر و شکیبائی را

دل بیاد تو کنم شاد تو دائم لیکن — چون تسلی کنم این چشم تماشائی را

دل بدستش نتوان داد ندانی انس — چہ بود قدرِ مسلمان بت ترسائی را

منشی لالچند انس صرف غزلگو ہی نہ تھے بلکہ قصیدہ گوئی میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ بطور نمونہ قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

قصیدہ در مدحتِ حضرت سلطان عالم (خلد اللہ ملکہ) در زمانِ ولیعہدی

چیست امروز کہ شاد است دل عالمیان — چیست امروز کہ آمادۂ عیش است جہان

از چہ آراست جہان انجمنِ عیش و طرب — از چہ در پیرہنِ خویش نگنجد دوران

نکہتِ گل پئے تعطیرِ دماغ عالم — ہر طرف تا نہ فرش است بگلزار جہان

لہ:- از دیوان منشی لالچند انس مطبوعہ در گلاں کوٹھی علوی علی بخش خان۔

لہ:- دیوان منشی لالچند انس " " " "

مطلع دیگر[۱]

این سخاوت کہ تو داری نبود ز نیسان
بحر و کان از کفِ جودِ تو در آید بفغان

گشت معدوم وجودِ طلب از دہر امروز
از نوالِ تو غنی شد لقبِ محتاجان

حکمِ تقدیم ہمین بضعتِ کسریٰ دارد
پیشِ انصافِ تو ای داورِ خلقِ جہان

۷۔ انیس

"موہن لال انیس کایستھ قوم کے تھے۔ ان کے والد کا نام مخفوریسین تھا۔ جو یگنہ گویا متوسر کار حیدرآباد میں قانون گو تھے۔ خود بھی نوکری پیشہ تھے۔ ناخمہ ہلکن سے شعر و سخن کی اصلاح لیتے تھے۔ ہر ایک سے بہت تواضع اور گرمجوشی کے ساتھ پیش آتے تھے۔"[۲] ان کی ایک غزل کے چند اشعار نذرِ ناظرین ہیں۔

خداوندا چنان کن بے خبر در عشقِ خود ما را
کہ نشناسد دلِ بیتاب ہرگز دین و دنیا را

من از نادیدنت سرگشتہ ام ہر جا چو بادِ تیغ
کہ در ہر جای دل دیدہ بسازی زین ما را

مدہ جز دردِ عشقِ خویشتن مانند لیلیٰ عالم
درین صحرای پر وحشت منِ مجنونِ شیدا را

اگر خواہم زراہ صاف جبالت تشنہ ای گویم
شوم حیران کہ گویم فہم انسان را کجا ما را

خداوندا اگر دانی نا امید از دولت و خلق
طفیلِ کاملان خود انیس زار و رسوا را

۸۔ آشنا

منشی رگھر سہائے خلف دیوان کشن دیال کایستھ سریواستو متوطن لکھنؤ محلہ حیدر گنج قدیم۔ شاگرد جناب منشی میندولال زار فارسی میں کامل دستگاہ تھی۔ تاریخ گوئی میں اچھا ملکہ حاصل تھا۔ تاریخوں کا مجموعہ

---

[۱]: از دیوان منشی لال چند الفت مطبوعہ زر کلاں کوٹھی علوی علی بخش خان

[۲]: تذکرہ معرکۂ ....

"تحفۂ احباب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۱۹۱۴ء میں بعمر اسی سال انتقال فرمایا[1]۔ افسوس کہ ان کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔

۹۔ راجہ الفت رائے الفت

راجہ الفت رائے الفت لکھنؤ کے باشندہ اور کالستھ تھے۔ آپکے والد کا نام لال جی تھا قاہی زمانہ میں فارسی میں ایک انشا طبع ہو چکی ہے فوج کے بخشی تھے۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں شہرت عامہ حاصل تھی اور فارسی کے اچھے شاعر اور انشا پرداز تھے[2]۔ الفت مولوی احسان اللہ ناحی کے شاگرد تھے اور نظم و نثر انھیں کی طرح لکھتے تھے۔ الفت اگرچہ ہندو تھے لیکن آپ کا میلان شیعہ مذہب کی طرف تھا اور آپ باقاعدہ تعزیہ داری کرتے نیز مجالس عزا منعقد کرتے تھے[3]۔ الفت کا انتقال ماہ شوال کی ساتویں شب کو ۱۲۷۰ھ میں ہوا منقبت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

السلام اے مدح تو آیات قرآن مبین | السلام اے ذات پاکت کعبۂ علم و یقین

السلام اے پایہ ات تاج سر عرش بریں | السلام اے سایہ ات خورشید رب العالمین

آسمان عز و تمکین آفتاب داد و دین

ہبط نور الٰہی مصدر آثار غیب | مخزن سر سلونی مطرح انظار غیب

معدن علم الدنی مشرق انوار غیب | مقصد تنزیل بلغ مظہر اسرار غیب

مطلع تیلوہ شاہد مقطع حبل المتین

قائم از فیض قیام ذات تو بنیاد خلق | شاداں از ذکر خلق تو دل ناشاد خلق

ساختی پیش از ظہور ذات خود امداد خلق | صورت معنی فطرت بالت امداد خلق

---

[1] تذکرہ بہار سخن صد ۲۹ [2] تذکرہ بہار سخن صد ۱۵ [3] تذکرہ صبح گلشن صد ۳۲ [4] خمسہ ہفت بند کاشی از راجہ الفت رائے الفت مطبوعہ احمدی پریس ۱۲۶۶ھ صد ۳۰۲

بہترین نسل آدم نفس خیر المرسلین

۱۰۔ بسملؔ درگا پرشاد بسملؔ لکھنوی، کنور لکشمی نرائن کے بیٹے تھے۔ کنور لکشمی نرائن، بادشاہ شاہ عالم کی جانب سے صوبہ بنگالہ کی دیوانی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن خاں قندھاری کی وکالت میں دربار شاہی میں مامور ہوئے۔ درویشانہ طبیعت تھی۔ آپ قاضی اختر مجتبیٰ سے غائبانہ محبت رکھتے تھے۔

مطلع در صفت فوق النقط

منگ حنا گر دلِ من خوں نمودہ است | کام وزندگانی ثمک دگرگوں نمودہ است
بجانِ صاف ضمیر الہوس نمی گنجد | بصحنِ خانۂ آئینہ خس نمیگنجد[1]

۱۱۔ بسملؔ بھگوان داس بسملؔ لکھنوی، بسر لو استوا کا ستھ تھے آپ کے والد نواب اودھ کے ملازم تھے۔ راجہ ٹکیت رائے کی ملازمت میں بھی تھے۔ بسملؔ کی ابتدائی تعلیم بہت ہی صحیح طریقہ سے ہوئی تھی۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو صرف ونحو اور دیگر کتب متداولہ کا بخوبی مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اساتذہ کے دواوین کا بھی بغور مطالعہ کیا[2] اور شاعری شروع کی۔ ابتدا میں "بسملؔ" تخلص اختیار کیا تھا پھر آخری دور میں "ہندی" لکھنے لگے[3]۔ سرب سکھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ تین مثنویاں تصنیف کی ہیں۔ (۱) سلسلۃ المحبت" بروزن "سلسلۃ الذہب" (۲) "مظہر الانوار" بروزن "مخزن الاسرار" (۳) بھاگوت "مسمی بہ مہر وضیا" بروزن "یوسف زلیخا"۔ اسکے علاوہ دو دیوان یکے "شوقیہ" دوم "ذوقیہ" مع ترجیع بند

---

[1] تذکرۂ روز روشن ص ۹۷ [2] تذکرہ سفینۂ ہندی۔ نسخہ "خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری" پٹنہ میں محفوظ ہے [3] تذکرۂ روز روشن ص ۹۶

وغیرہ بھی یادگار چھوڑے ہیں۔

نمونۂ کلام

یکجا شدنِ بدر و ہلال امرِ محال است
جز ابرو و روئے تو کہ بدر است ہلال است

اے کاش کہ بر خار و خس رہگذار تو
در گلشنِ کوئے تو کہ بر حسنِ مثال است

تا گشتہ جدا دستِ من از گردنِ ساقی
بر گردنِ من زندگی خویش وبال است

اے ماہ باین حسن و جمالے کہ تو داری
خورشید شود چہرہ برویت چہ مجال است

اے ماہِ پری جلوہ گر در خواب نیاید
بے پردہ نہ آید ز درم این چہ خیال است

عمریست کہ ہندیؔ دلِ ما بہ ما نیست
بیچارہ کجا رفت و ندانم بہ چہ حال است

رفتی و سوخت دل از داغِ جدائی باز آ
آتش افتاد بجان بے تو، کجائی باز آ

برائے آنکہ نماند کسے نشان مرا
سگانِ کوئے تو خوردند استخوان مرا

چون لالہ ام بہ دل گلے داغ شگفتہ است
از خار خارِ عشق تو باغے شگفتہ است

مجنوں کشادہ چشم و نظر بر ہلال کرد
و ندش نظر ابروئے لیلی و حال کرد

شب از تبِ جدائیِ جانانہ سوختم
آتش گرفتم از جگر و خانہ سوختم

کارے بکفر و دین نبود طالبِ ترا
آتش زدم بہ کعبہ و بتخانہ سوختم

این تیرہ بزم دہر نہ جائے رقابت است
چون بادِ گرم میگذرد کاروانِ شمع

بجز آنکہ حرفِ غم نبود کسیم ہزار جا
انشاء بنامۂ تو چہ مضمون کند کسے

منجم طالعم ام چون دید در طفلی کند آہے
کہ این بابا بعشقِ لیلیٔ اے مجنون شود روزے

رباعی[1]

دائم کہ ہندی دشمن جانم اے آہ
کردند زمین روئے دل تو بدخواہ

گر ہست ترا کشتنِ بسمل منظور
برخیز و بکش تیغ و بزن بسم اللہ

---

[1] تذکرہ سفینۂ ہندی ص ۲۵۹

۱۲۱۔ بہار منشی جوگل کشور بہار کے والد کا نام منشی کنول رام نزاکت (الہ آبادی) تھا۔ ذرہ غلام قطب الدین مصیبت کے شاگرد تھے۔ فنِ عروض و قافیہ و نظم و نثر میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ بہار کے والد، سرکار نواب خان عالم بقا اللہ خاں بہادر کے یہاں منشی تھے اور آپ خود شہرِ لکھنؤ میں نواب مدار الدولہ کے کارخانے میں منشی تھے۔ آپ کا ایک شعر یہ ہے ؎

از رشکِ آب دہانِ شکر بار زبار بار
خون میگریست غنچہ بگلزار، زار زار[۱]

۱۲۲۔ بابو بالمکند یہ "سری واستوا" کائستھ تھے۔ انکے چچا عالم چند، نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم تھے۔ انہیں علم و فضل اور انصاف میں فضیلت حاصل تھی۔ انکے آبا و اجداد گردشِ روزگار کے سبب پٹنہ، بنگال اور اڑیسہ تلاشِ معاش میں گھومتے رہے۔ عالم چند نے علم و فضل اور قابلیت میں خوب نام پیدا کیا۔ بالمکند کا تخلص بیشہور[۲] تھا۔ مانک پور وطن تھا۔ جو اس وقت صوبہ الہ آباد میں تھا۔ ۱۲۰۰ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ عالم چند نے بالمکند کو اچھی تعلیم و تربیت دینے کی بڑی کوشش کی، نتیجتاً بابو بالمکند بڑے ہی نکتہ سنج اور ذہین ثابت ہوئے۔ آپکو شعر و شاعری کا شوق تھا[۳] آپ کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں ؎

بجز اشکِ مرا بقدر یکی خرگانِ تر زمی
بدین طفلی غذا پرورده خونِ جگر، زخمے

صبحِ محشر ہمہ تن تیغِ زبان خواہد بود
زخمِ مظلوم اگر پنبہ دہان است امروز

چون گوہر در عالم آب حریفان می رسم
اعتبارے نیست گو ہر سو بسر غلطیدہ[۴] ام

۱۲۳۔ بہجت منشی مکھن لال بہجت۔ کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے بلگرام میں پیدا ہوئے تھے۔ عوض رائے مسرت کے شاگرد تھے[۵]

---

[۱] تذکرہ بوزرریش ص ۱۰ [۲] تذکرہ خوشگو ص ۲۲۶
[۳] تذکرہ خوشگو۔ از بندرابن داس خوشگو۔ ص ۲۱ [۴] تذکرہ ... ص ۲۱

میں تھے۔ بہجت صاف گو شاعر تھے۔ انکا کلام درد انگیز ہے ۱۲۰۰ھ کی ابتدا میں انکا انتقال ہو گیا ہے۔ اردو کے مشہور تذکرہ نگار مصحفی تحریر فرماتے ہیں کہ،

"قوم کائستھ مکھن لال نام دارد۔ زاد و بومش خطۂ بلگرام شاگرد عوض رائے حسرت شاہجہان پوری کرسی گوش بحدے دارد کہ جواب سوالش بر لوحِ کاغذ نتوان کرد۔ در لکھنؤ ملاقات این بیچارہ شدہ"

جناب بہجت کے کلام میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

ز دستِ بہجتِ مسکین دگر چہ می آید	جز اینکہ نقد دل و جان نثار یار کنند
وفائے وعدہ ازاں بیوفا امیدم نیست	ہزار بار مرا گرامید وار کنند
بتعظیم رقیبان تا بکے ہر بار بر خیزم	ہمان بہتر کہ من از بزم او ز بن عار بر خیزم

۱۵۔ بیخود پنڈت سومناتھ مبعی بیخود۔ آپ پنڈت سنگم لال مبعی کے صاحب زادے تھے۔ جناب بیخود کے فارسی عالم متبحر تھے نیز عربی میں بھی دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ جب وہ وہاں کے امتحان میں شریک ہوئے تو مسلم ممتحنوں نے آپکی قابلیت کا اندازہ کر کے کہا کہ اگر آپ مسلمان ہوتے تو دستار فضیلت آپکے سر پر ہوتی۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاید اس زمانے میں فرنگی محل کے قواعدِ تعلیم اہل ہنود کے سر پر دستار فضیلت باندھنے کے خلاف تھے۔ اطلاع اودھ میں ایک عرصہ تک تحصیلدار رہے۔ وطن لکھنؤ میں انتقال فرمایا۔ آپکا ایک شعر لکھنؤ میں بہت مشہور تھا۔ دیکھئے مسئلۂ تناسخ کو کس عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے ؎

اشارہ ۱۔ تذکرہ تاریخ الافکار۔ ۲؎ تذکرہ عقد ثریا۔ از غلام ہمدانی مصحفی

۳؎۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں قلمی دیوان موجود ہے۔

۴؎۔ تذکرہ بہارِ گلشنِ کشمیر حصہ اوّل صفحہ ۱۳۲۔

بیخود نہ ہجر و امید وصال جان بہ تنم ہزار بار برفت و ہزار بار آمد

پنڈت سومناتھ بیخود نے ایک قصیدہ عرفیؔ کے مشہور قصیدے کی بحر میں کہا تھا اسکے دو شعر ابتک یادگار ہیں۔

عرفیؔ

صبحدم چون در دمد دل صد نمکدان زائے من
آسمان لمعہ قیامت گرد واز غوغائے من

بیخود

بسکہ حسرت میچکد از نالۂ ہو وائے من
بزم محشر صحن خاموشان شد از غوغائے من

بیخود کا دوسرا شعر تو اس پائے کا ہے کہ اس کا جواب عرفیؔ کے قصیدے میں بھی بمشکل ملے گا۔

ہمت والائیم از کون و مکان بگذشتہ است
بر فضائے لامکان پر می زند عنقائے من

در بیابان جنون از بسکہ باشم گرم خیز
شعلہ می خیزد بجائے گرد از صحرائے من

کیا بلند پروازی و معنی آفرینی ہے۔ اگر مقامی بندش اور پاکیزگی زبان کو دیکھا جائے تو بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی ایرانی نژاد کی فارسی ہے۔ اسی طرح آصفیؔ کی غزل پر بیخود نے جو مخمس کہی ہے وہ بھی انکی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے مخمس مذکورہ سے تین بند حاضر ہیں

مخمس بر غزل آصفیؔ[۱]

ساز حیران رخی دیدۂ حیرانی را
مطرح نور جمالی بنما جانی را

عشرت بتکدہ کن کعبۂ ایمانی را
ساز آباد خدایا دل ویرانی را

بادہ تہ بتان ہیچ مسلمانی را

اے ز لطف تو بر امید ہمہ آغوش قبول
بر تر از کرم رحمت و توحسب معمول

چون عدت نسبت چہ کنم بے اظہار وصول
میتوانی کہ دہی اشک مرا رنگ قبول

تو کہ در ساختہ اے قطرۂ بارانی را

[۱] تذکرۂ بہار گلشن کشمیر حصہ اول صفحہ ۱۵۴۔

اے پاک انست ز ترکیب وجود آلات | وحدت ذات تو کثرت انگیز نہ ز صفات
چون فصیحی چہ رسول ہمہ عاجز بہ ثبات | آں صفتی نیست کہ توحید تو گوید ہیہات

حد وصفت نبود ہیچ سخندانی را

۱۷۔ **بیمار** مینڈی لال نام، بیمار تخلص، خاندان رستوگی سے تعلق رکھتے تھے۔ خوبصورت نیک سیرت ہونے کے ساتھ دردمند دل رکھتے تھے۔ انکا بیشتر وقت فقیروں کی صحبت یا گوشہ نشینی میں گذرتا تھا۔ تصوف کے رسالوں میں سے "مثنوی معنوی" کا درس دیتے رہے اور ابیات و مثنویوں کو بہت ہی درد انگیز انداز میں پڑھتے تھے۔ مصنف "تذکرہ ہندی" نے انہیں، جو اکثر و بیشتر دیکھا تھا۔ ابیات خوانی کے وقت انکی آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے تھے۔ ۱۱۸۰ھ انہوں نے دنیاوی تعلقات ترک کر لئے اور اجمیر چلے گئے اور کچھ عرصہ تک وہیں مقیم رہے۔

بعد ازاں قلندری لباس میں حرمین شریفین کی زیارت کا ارادہ کیا۔ خدا بہتر جانتا ہے بہر حال عجیب مشخص تھے۔ انکے اشعار میں سوختہ نفسی بہت ہے شاعری میں سرب سنگھ دیوانہ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ درج ذیل چند ابیات انہیں کے ہیں۔

رحم بر حال من بیکس نمی آید ترا | اینقدر بیرحمی اے ظالم نمی باید ترا
کاش یک لحظہ دگر زیستمے یا قسمت | بعد مرگ آمد و پرسید کہ بیمار کجا است
نمی بینیم ما از کوری خود حسن سوختہ را | تو حسن خویش را در صورت ما کردہ ای پیدا

رباعی

اے عشق بیا کہ دین و ایمان منی | اے درد بیا کہ راحت جان منی
گہ داغ نہی دل مرا گہہ مرہم | ہم درد منی تو ہم درمان منی

لہ: تذکرہ سخن ہندی ص ۳۰

۱۷۔ بیدار رائے ساتھ سنگھ بیدار، ذات کے بنیئے تھے۔ والد کا نام رائے بھوگ چند تھا۔ انکے والد بنیکار تھے۔ رائے ساتھ سنگھ اگرچہ گورکھپور میں پیدا ہوئے تھے لیکن انکا آبائی وطن شاہجہاں آباد تھا۔ تاریخ گوئی میں کوئی انکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ بھگوانداس مصنف ہندی سے انکی قرابت تھی۔ حدیقہ ہندی کے خاتمہ پر انہوں نے تاریخ لکھی ہے۔ نواب شجاع الدولہ کی ولادت پر انہوں نے ایک شعر کہا جو اسطرح ہے۔

بدولت خانۂ نواب منصور ‏ ‏ ‏ ‏ برآمد آفتاب از مطلع نور

نواب صفدر جنگ بہادر نے خوش ہو کر پانچ ہزار روپیے اس سلسلے میں انہیں مرحمت زمائے لیکن انھوں نے اپنی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبول نہ کئے۔ اسی سلسلے کا آخری شعر یہ ہے۔

ہاتف از روئے الم سالش گفت ‏ ‏ ‏ ‏ مہر پنہاں بہ زمین شد ہیہات[1]

۱۸۔ پروآنہ جسونت سنگھ پروآنہ، مہاراجہ بینی بہادر کے صاحبزادے تھے۔ مہاراجہ بینی بہادر، نواب شجاع الدولہ کے متوسلین سلطنت اور ارکین میں تھے۔ آپ قصبہ بندلہ وہو ضلع ... کے جاگیردار تھے۔ فارسی اور عربی کی بڑی اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ شاعری کا چسکا فطری طور پر تھا۔ ذیگر فنون مثلاً خطِ رل، سیر، کتب، تواریخ و خطوط نویسی وغیرہ میں کافی مہارت[2] حاصل کی تھی۔ پروآنہ ظاہری وجاہت اور حسن واخلاق کے باعث اپنے ہم عصر امرا میں ممتاز تھے۔ ایک تذکرہ کے مطابق جوان یوسف مثال تھے۔ اور ایک زمانہ زلیخا انکا دیوانہ اور فریفتہ تھا۔ ہندی کبت خوب کہتے تھے۔ فارسی کلام میں رائے سرب سنگھ دیوآنہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ پروآنہ کی شاعری کے متعلق تذکروں میں سخت اختلاف ہے۔ جناب قدرت اللہ قاسم[3] فرماتے ہیں "در فارسی شاعری شاگرد سرب سنگھ دیوآنہ ہست و در ریختہ اول تلمذ شیخ

[1] تذکرہ عقد ثریا۔ [2] تذکرہ الشعرا قلمی ... [3] ...

شیخ بے نظیر سر نمودہ وازاں پس میر حسن مرحوم صاحب مثنوی
"بدرِ منیر" استفادہ نمودہ۔ درآخرہا از بیانِ غلام ہمدانی مصحفی
توسل جستہ [1]"

پروانہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے کہ وہ ایک بار شیخ علی حزین اصفہانی کی ملاقات کو گئے۔ شیخ انتہائی نازک مزاج تھے۔ ملاقات کے لیے پروانہ نے اطلاع کرائی تو شیخ علی حزیں نے یہ مصرع جواب میں لکھا: "درین بزم رہ نیست بیگانہ را" پروانہ بڑے حاضر جواب تھے برجستہ اس پر مصرع لگایا اور پرچہ واپس بھیجا مصرعہ یہ تھا: "کہ پروانگی داد پروانہ را" حزین اس ذکاوفہم اور برجستگی سے بہت متاثر ہوئے۔ دوڑتے ہوئے باہر آئے، پروانہ کو سینے سے لگایا اور نہایت عزت واحترام سے بٹھایا افسوس کہ ان کا کلامِ فارسی پردۂ خفا میں ہے۔ ایک مشہور تذکرہ نگار کا بیان ہے کہ انکا دیوان ڈاکٹر اسپرنگر کے کتب خانہ میں تھا[2]۔ پروانہ کا انتقال سنہ ۱۱۵۱ھ میں ہوا۔ لیکن عشرت لکھنوی نے انکا سنِ وفات ۱۱۵۸ء لکھا ہے[3]۔ انکے چند اشعار یہ ہیں۔

بگو حاجیباں آں شمعِ دل افروز | کہ امشب عاشقان را حکم یار است
بے لعلِ لبت غنچۂ دل واشتواں کرد | جاں را ز پیامِ تو شکیبا نتواں کرد
وصلِ تو ز ہجر است برتر زعذابم | ایں طرفہ کہ جز وصلِ تمنا نتواں کرد

۱۹۔ ثروت جو گل کشورِ ثروت قوم کے بادہ فروش تھے، نقطہ دانی لطیفہ گوئی خوش معاشی و یار باشی آپ کی مشہور تھی۔ ناظمِ بنگالہ کی وکالت کے وقت آپ پایۂ تخت دلی میں موجود تھے۔ آپنے اپنی خوبیوں

---

[1] تذکرۃ الشعراء قلمی نسخہ ص ۱۴ خدابخش لائبریری پٹنہ [2] خم خانۂ جاوید [3] تذکرہ شعرائے
[illegible] عشرت لکھنوی [illegible] تذکرہ [illegible]

کے باعث بادشاہ کے مزاج میں اس قدر دخل پیدا کر لیا تھا کہ دلی کے خاص رئیسوں میں آپکا شمار ہوتا تھا۔ دلی کی بربادی کے بعد آپ لکھنؤ تشریف لائے اور نواب شجاع الدولہ کی ملازمت کر کے انکے دامن سے منسلک ہو گئے۔ عالیجاہ نواب موصوف نے بہت توقیر فرمائی لیکن آپ کچھ عرصہ کے بعد دل برداشتہ ہو کر فرخ آباد چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاتھی پر سوار ہوتے وقت ہاتھی نے انکو ہلاک کر دیا۔ ان کے خاندان کے لوگ دلی میں اب بھی آباد ہیں جن کا شمار شرفا و رؤسا میں ہوتا ہے۔ نمونہ کلام کے طور پر مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمایا جائے:۔

گفتم کہ یارِ من شود در خاطرت گر آید ۔۔۔ گفتا کہ روئے خود بین حرفے بگو کہ شاید[۱]

۲۰۔ ثاقب

جناب شیو پرشاد مہاراجہ جے گوپال ثاقب، سندیلہ ضلع ہردوئی کے رئیس اعظم تھے۔ آپ کھرے سریواستو کائستھ تھے۔ اور سلطان عالم واجد علی شاہ کے مصاحب خاص تھے۔ فارسی کے جید عالم تھے۔ اور نثر و نظم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کے آبا و اجداد بھی شاہان اودھ کی سرکار میں عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ حضرت واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ تشریف لے گئے۔ نمک خواری کے خیال سے وطن سے دور شاہ کی رفاقت میں تا دم آخر مٹیا برج (کلکتہ) میں رہے۔ واجد علی شاہ نے انھیں "مہاراجہ" کا خطاب عطا فرمایا۔ مہاراجہ درگا پرساد سندیلوی آپ کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔ ثاقب کا علمی ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ ۱۸۹۰ء میں انتقال فرمایا[۲]

بھوپال کے ایک تذکرہ نویس نے آپ کے بارے میں تحریر کیا ہے[۳]

"ثاقب شیو پرشاد مہاراجہ جے گوپال سنگھ بہادر ولد منشی بینی پرشاد قوم از کائستھان لکھنؤ است۔ آیدون بملازمت واجد علی شاہ

---

[۱] تذکرہ سفینۂ ہندی ص۴۲ [۲] تذکرہ بہارِ سخن ص۱۱۲ [۳] تذکرہ نگارستان سخن

اودھ در کلکتہ اقامت دارد۔"

۱۲۔ جوہر رائے جواہر سنگھ جوہر ولد ادرائے سنجتا ور سنگھ بن منشی بہاری لال قوم کایستھ "سکینہ" ساکن لکھنؤ شاگردِ جناب خواجہ وزیر لکھنوی۔ سالِ ولادت ۱۲۴۰ھ۔ آپکے بزرگوار دربارِ شاہی میں عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ منشی منولال فلسفی جو نامی گرامی شاعر گذرے ہیں آپ کے جدِ امجد کے بھائی تھے۔ راجہ رتن سنگھ زخمی آپ کے ماموں تھے۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر آپ کی تقرری دفترِ شاہی کے محکمۂ دیوانی میں ہوئی۔ ۱۸۵۶ء میں جب اودھ کا الحاق سلطنتِ انگلشیہ میں ہوا، اس وقت آپ تحصیلداری کے عہدہ پر کام کر رہے تھے۔ مہاراجہ بلرام پور کی فرمائش پر انگریزی سرکار کی ملازمت چھوڑ کر بلرام پور تشریف لے گئے اور زندگی کی آخری سانس تک وہیں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مہاراجہ دگ وجے سنگھ اور راجہ منشی شنکر دیال فرحت آپ کے نامی شاگرد تھے۔ جوہر نازک خیال اور شیریں مقال شاعر تھے۔ آپکا فارسی دیوان "مطلع خورشید" و "ارمغانِ ہندوستان" کے نام سے نکلا ہے۔ اسکے علاوہ "جواہرِ افلاک"، "جواہر ادراک" نام کی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا[۱] ان کے کلام میں سے کچھ مختصر اشعار بہ ہدیۂ قارئین ہے۔

حرفے سوختہ ماہ چو در انجمن افتد	چو شمع زبانِ ہمہ در سوختن افتد
آید بنظر ہر رگِ گل رشتۂ شمع	از روئے تو گر پردہ بصحنِ چمن افتد
کارِ زمانہ غیرِ حبابے نیافتم	دنیا سوائے نقش بر آبے نیافتم

---

[۱] : تذکرہ بہارِ سخن ص۱۲۰ [۲] تذکرہ روزِ روشن ص۱۵۵

جواہر افلاک

جوہر بہ صنعتش نظر کن | چشمے بہ شمس و بہ قمر کن

دورِ فلک و زمانہ از وست | سال و مہ کار خانہ از وست

بر ہفت ستارگاں مدار است | ہر روز باختر کرا قرار است

۲۲- جوالا پرساد

جوالا پرساد راجہ بختاور سنگھ، پرگنہ ہنڈیا کے زمیندار تھے۔ جوالا پرساد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"میرے چچیرے بھائی رائے من سکھ رائے ولد شمبھو رائے۔ برادر حقیقی رائے بختاور دیوانِ معتمد الدولہ بہادر نائب شاہ غازی الدین حیدر ملکِ اودھ مجھے عزیز رکھتے تھے۔ میری تعلیم و تربیت کے خیال سے اپنے پاس رکھا۔ انھوں نے میری تعلیم و تدریس نیز تربیت میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ پند و نصائح کی چند کتابیں انھوں نے مجھے خود پڑھانی شروع کیں وہ کتابیں ختم بھی نہ ہونے پائی تھیں کہ انھوں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ میں نے فوائد اطفال کے خیال سے ان منتشر اوراق کو جمع کیا۔ اور انکو مختصر کرکے "عمدۃ النصائح" کے نام سے شائع کرا دیا تاکہ میرے بھائی من سنگھ رائے کی یادگار رہے اور ناظرین و شائقین برادرِ ممدوح کو بذکر خیر یاد کرتے رہیں لہ"

ذیل میں ہم انکی تالیف کردہ کتاب سے کچھ اشعار بطور نمونہ نقل کر رہے ہیں۔

"عمدۃ النصائح" ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ ہے۔

بہ نوبہارِ جوانی اطاعتِ حق کن | کہ چوبِ خشک بجز ہیزم نمی گردد

درذکرِ خدا بہ کہ شود صرف چو تسبیح | ایّامِ حیاتے کہ بصد سال برآید

لہ [illegible] ۱۲۹۳ھ

از تہہِ دل گفتگوئے اہلِ حق را گوش کن   خالی از سرچشمۂ حیوان سبوئے برمیار
چو شمع از پئے علم باید گداخت   کہ بے علم نتوان خدا را شناخت

قطعہ

وجودِ مردمِ دانا مثالِ زرِ طلا است   بہر کجا روند قدر و قیمتش دانند
بزرگ زادۂ نادان بشہر وا ماند   کہ در دیارِ غریبش بہ ہیچ نستانند

گر بہر علم عالمی باشی   بے عمل مدعی و کذابی

تاجِ شاہی طلبی گوہرِ ذاتی بنما   ورخود از گوہرِ جمشید و فریدون باشی

مکن شادمانی بمرگ کسے   کہ عمرت بس از وی نماند بسے

مرا بمرگِ عدو جانِ شادمانی نیست   کہ زندگانیِ ما نیز جاودانی نیست

ناتوان گل در گریبان ریختن از دیگرے   خارِ پیراہن مشو آسودگانِ خاک را
پہن خرقۂ خویش پیراستن   بہ از جامۂ عاریت خواستن

جوہرِ ذاتی ترا چون تیغ مستغنی ز پاس   از لباسِ عاریت خود را اگر عریان کنی

ہدیہ با تنگ دستان را بچشمِ کم مبین   از مروت بر سرِ خوانِ تہی سرپوش باش

عنان بدستِ فرومایگان مدہ زنہار   کہ در مصالحِ خود خرج میکنند ترا

ندہد ہوشمند روشن رائے   بفرومایہ کارہائے خطیر

دید از اخوان چہ خواری با عزیزِ مصر دید   چشم دلجوئی نمی باید از اخوان داشتن
یوسفِ مصر شنیدی کہ از اخوان چہ کشید   چہ توقع ز عزیزانِ دگر باید کرد[۱]

۲۳۔ جواہر پرشادی لال

بڑی کد و کاوش رکھی ان کے حالات کا کچھ پتہ نہ چلا۔ تذکرہ نگار حضرات انکے سوانح کے بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ انکے کلام سے بھی انکی زندگی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی ہے تعجب

---

[۱]: عمدۃ النصائح۔ از جوالا پرساد۔ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ص ۲۱

تو یہ ہے کہ آپکا کلام تو کافی دستیاب ہوا ہے مگر حالاتِ زندگی نہ مل سکے آپ کا نمونۂ کلام مندرجہ ذیل ہے [۱]

ندارد یاقوتِ لب از کلامِ تازہ سامانے
کہ گلزار سخن رنگین کنم رشکِ گلستانے

ندارم جائے عجب دارم گہ درّ صفت کرامتہا
زبانِ خامہ چون زلفِ پری رویاں پریشانے

نسے دارم کہ او دعا گفت ثنایت سرِ جہاں دور
اگر بہر او قدر شاہا ز ہے اکرام و احسانے

علیم عادل عالی نگاہی عالم آرائے
زبان دانِ جہاں بار تبہ و شانِ سلیمانے

ارسطو کے بقراطِ زمانے نکتہ اسکندر ہمت
بمیدانِ دعا نام ترا شمشیر برّانے

دعائے نیضِ و اکرام تو در دو عالم امکان
شدہ اے دستِ احسانِ تو رشکِ ابر نیسانے

بتوصیف ثنایت جوہر دل خستہ می گوید
کلامِ تازہ شاہا بازبانِ گوہر افشانے

۲۴۔ حیران

کشن نرائن حیراں آن کے والد کا نام پنڈت بنارسی داس ہوا اور دادا کا نام پنڈت سدا سکھ تھا۔ حیراں منشی لکشمی نرائن رفیق کے شاگرد تھے ایک مدت تک لکھنؤ میں رہے پھر بنارس چلے گئے تھے۔ آپ کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

دارا نہ سرت جز سر زلف تو سرے نیست
جز چشم تو در پردۂ جہانم نظرے نیست

در باغِ جہاں ہمچو تو اے خسرو خوباں
شیرین دہنے گلبدنے نسیم تنے نیست

حیراں شدہ مہمانِ غم و خوردم از غم
اینجا بجز از لختِ جگر ما حضرے نیست

۲۵۔ خوشگو

بندرابن داس خوشگو، راجپوت بیسواڑہ قوم کے "بیس" طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بیسواڑہ صوبہ اودھ کا ایک ہندو خطہ تھا۔ خوشگو کا سلسلہ النسب راجہ بکرماجیت سے ملتا ہے۔ آپ نے شعرائے ماضی کے

---

[۱]: دیوان جوہر کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے
[۲]: دیوان جوہر قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور سے ماخوذ (تذکرہ ردو ص ۱۶۱)

کلام کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ اسی لیے آپ کو موزوں کلام کہنے کی کافی مشق
تھی۔ مختلف مضامین کی تلاش و تحقیق میں آپ نے بڑی محنت کی تھی ایک
تذکرہ "تذکرۂ شعراء" کے نام سے تصنیف کیا۔ جس میں متقدمین سے لے کر،
اپنے دور تک کے شعراء کا ذکر ہے۔ یہ تذکرہ انھوں نے امیر خاں مرحوم،
کے نام سے لکھا تھا۔ خانِ آرزو تحریر فرماتے ہیں کہ [1]

"فقیر از مدت بست و پنج سال آشنا است و این عاجز عمر بہ
تربیتش تصور نمیکند۔ سجع این مصرعہ بود"
"آرزو مند فضل او خوشگو"

ابتدا میں مرزا افضل سرخوش و مرزا بیدل و شیخ سعد اللہ گلشن سے
مستفیض ہوئے۔ نوکری کر کے گذر بسر کرتے تھے۔ آخر دنیا سے عاجز ہو کر
فقیری اختیار کر لی۔ امیر خاں جو صوبۂ الہ آباد کے ناظم تھے یہی دو دینار
یومیہ دے کر انکی مالی امداد کرتے تھے جب امیر خاں کا انتقال ہو گیا تو خوشگو
کبھی عظیم آباد کبھی بنارس وغیرہ ادھر ادھر پھرتے رہے۔ یہی بے سروسامانی
کی زندگی آخری دم تک رہی [2]۔ درج ذیل اشعار انکی یادگار ہیں

آواز تیشہ امشب از بیستون نہ آمد / شاید بخواب شیرین فرہاد رفتہ باشد
از بیم بداں تا برخ خوب تو بینم / آئینہ بکف پشت بروئے تو نشینم
شیشۂ حیراں از گلاب رنگ نازم در بغل / می زدم تا نبض سوئے تربت مجنوں کنم
اگر معراج تجلی و تمکانِ دہر اینست / خداوندا ترقی بخش رحمت ساز قاروں را

۲۶۔ خیالی۔ منشی خیالی رام خیالی سکینہ لکھنؤ کے محلہ کو بستہ

---

[1]: تذکرہ روز روشن ص ۱۶۱
[2]: تذکرہ سفینہ ہندی ص ۵۰ اگلے صفحے پر

کے باشندہ اور مولوی احسان اللہ ممتاز جیسے نامی شاعر کے شاگرد تھے۔ آپ ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ "بہارِ سخن" میں انکو مرزا قتیل کا شاگرد بتایا گیا ہے[2]۔ بیحد ذہین و طباع تھے۔ زبان میں سلاست تھی اور نظم و نثر میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد قریب ایک سو ہے۔ آپ نے "اعجازِ خسروی" جیسی مشکل کتاب کی شرح لکھی ہے ترکی زبان بھی خوب جانتے تھے۔ واجد علی شاہ کے ملازم تھے ۱۸۸۲ء میں انتقال فرمایا۔

نمونۂ کلام

(قصیدہ)

دلم ز پرتوِ نور است آنچناں پُر نور — کہ لوحِ سینۂ او تابناک ہم چوں
منور است چناں طبع تیرہ ام کہ رسد — شعاعِ روشنیِ او ز استعارہ بطور
زکلکاس خانہ ثعبان رسم نگاہ سواد — بمعجزات عصائے کلیم گردہ ظہور
بگوشِ انجم و گردوں رسد بلا کم و کاست — نشگوفہ دائرہ و نقطہ اش بچشمِ شعور
بعکسِ شمسۂ او شمسِ آسماں محتاج — چو ماہتاب کہ باید ز مہر پرتوِ نور
صفائیِ ریختہ اش ریختہ بخاک سیاہ — بنائیِ منزلتِ تفخر قیصر فغفور

٢٧۔ خوشوقت

لالہ خوشوقت رائے لکھنوی کے والد کا نام لالہ شتاب رائے تھا۔ یہ لوگ منشی دانش علی خاں کے یہاں ملازم تھے[4]۔

داومت دل درپۂ جانی ہنوز — تیغ کش بے مہر میرانی ہنوز
روئے آں آئینہ رو دیدی مگر — از چہ رو آئینہ حیرانی ہنوز

١۔ تذکرہ سفینہ ہندی ص ٤٦۔ ٢۔ تذکرہ بہار سخن ص ١٥١۔
٣۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ از ڈاکٹر عبداللہ
٤۔ تذکرہ روز روشن ص ٢٠٦۔

۲۸۔ خوشدل

خوشدل تخلص، رائے امر سنگھ اصلی نام تھا جیون رام کے صاحبزادے تھے۔ کٹرہ مانک پور آپ کا وطن تھا۔ آپکے والد جیون رام نے اپنی خوش بیانی اور خوشنویسی کی وجہ سے نواب ابو المنصور صفدر جنگ کے یہاں قدر و منزلت حاصل کی۔ نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں انکی تقرری علاقہ غازی پور میں ہوئی۔ رائے امر سنگھ نے بعد تحصیل علوم کے مہاراجہ اجیت سنگھ، راجہ بنارس کے یہاں ملازمت اختیار کی۔ زندگی کے آخری حصہ میں بدایونی نظامت کے انگریزی ضلع علیگڈھ میں تقرری ہوئی۔ ۱۲۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ پانچ ہزار اشعار کا ایک دیوان یادگار ہے۔

کرم است تشنگہ نالہ آتش فشان ما — سوزد درنگ شمع زبان در دہان ما

زلف خویش در حلقہ میدزد رخ یار مرا — صبح صادق در بغل باشد شب تار مرا

بسکہ راہش تا بدہ عشق کافر بار مرا — طاقت یکدم نشستن گم شد چون نقش پا مرا

بسکہ در سودائے زلفت شد سیہ ایام ما — نیست فرق یکسر مو در صباح و شام ما

ساقیا باغ شراب کجا — صبح گل کرد آفتاب کجا

این صدا از مزار من خیزد — تشنہ ام تشنہ ام شراب کجا

گذار اے بت محو دلبری ای را — سخن برائے خدا دعوی خدائی را

۲۹۔ دبیر

جواہر لال دبیر لکھنوی ولد بستی رام قوم کائستھ خیر آباد کے نزدیک کسی گاؤں میں ان کا اصلی وطن تھا۔ نواب نصیر الدولہ کی ملازمت میں تھے اس لیے ایک عرصہ تک لکھنؤ میں قیام کیا۔ یہ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

گاہ نالیدن وگہہ نالہ کشیدن از درد — چہ بلا ہا کہ نصیب دل بیمارم نیست

چوں پئے قتلِ رقیب آں بت بدکیش آمد | پاس را گریہ بحالِ من درویش آمد
دمید اندر تنم جاں از پئے پاس | ز بسکہ آں کارِ عیسیٰ نامہ بر کرد
دلا سمندِ فغاں گو نمی رسد بفلک | ز آہ شعلہ نشان زیرِ تازیانہ کرد

۳۰۔ دریائی

پنڈت رتن ناتھ (لکھنوی) نام، دریائی تخلص اور والد کا نام امرناتھ شعلہ تھا۔ محمد خاں ناطق کے شاگرد اور قاضی اختر کے دوستوں میں تھے۔

نواب آمد تر تیغِ ستم ایجاد مرا | سایۂ سرو بود سایۂ جلاد مرا

۳۱۔ دولت

رائے دولت رام دولت کے والد کا نام رائے گردیال تھا۔ اور رائے گردیال راجہ پرچندر کے فرزند ارجمند تھے راجہ مسطور نواب شجاع الدولہ بہادر کے خزانہ دار تھے۔ یہی عہدہ خاندانی فضیلت کا باعث بنا چنانچہ رائے دولت رام دولت بھی نواب آصف الدولہ کے عہد میں اپنے والد کے ہی عہدہ پر فائز تھے۔ دولت کی جائے پیدائش لکھنؤ ہے پیدائشی طور پر شاعری کا ذوق تھا۔ شعراء کی صحبت سے کبھی کبھی فیضیاب ہوتے اور اصلاح لیتے تھے۔

لاغر شدہ ام زرنجِ مشقت | گویا تنِ من پرِ کاہ است

۳۲۔ دیوانہ

رائے سرب سکھ دیوانہ لکھنؤ کے باشندہ تھے انکے چچا، راجہ رام نرائن نواب شجاع الدولہ کے یہاں دیوان اور مدار المہام رہ چکے تھے۔ قوم کے کھتری تھے۔ اگرچہ آپکے آباؤ اجداد کا وطن پنجاب تھا لیکن آپکی پرورش و نشو و نما شاہجہاں آباد میں ہوئی تھی۔ ابتدائے عمر سے ہی شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔ شاہجہاں آباد کی بربادی کے بعد مستقل طور پر

لکھنؤ میں رہنے لگے تھے۔ اردو اور فارسی دونوں میں ہی شعر کہتے تھے۔
جب مرزا فاخر مکین لکھنؤ سے دلی آئے تو یہاں کے شاعروں میں عاشقانہ
شاعری کا غلغلہ بلند ہوا۔ سرب سکھ دیوانہ نے مرزا فاخر کی شاگردی،
اختیار کی۔ اور اچھے شاعروں میں شامل ہوئے۔ دیوانہ کی زبان نہایت
شستہ تھی انکی پوشاک اور انکے اشعار ایرانیوں کی طرز کے تھے آپ کے
تین دیوان ہیں۔ (۱) عشقیہ۔ (۲) دردیہ۔ (۳) ذوقیہ
میر حسن اپنے تذکرہ میں سرب سکھ دیوانہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں

"سرب سکھ المتخلص بہ دیوانہ شاعر زبردست در فارسی و ریختہ
شعر بسیار گفتہ است۔ ریختہ گویان لکھنؤ میان حسرت و
حیدر علی خاں حیران و اکثر دیگران شاگرد او اند"۔ [1]

ایک دوسرے مشہور و معروف تذکرہ نگار حکیم قدرت اللہ قاسم نے سرب سکھ دیوانہ
کو ان الفاظ سے نواز ہے:

"سرب سکھ نام وے از شعرائے دیار مشرق است در بلدہ لکھنؤ
یک چند مقیم گشتہ بود کہ نسبت تلمذ بوی نداشت جعفر علی حسرت کہ استاد قلندر
بخش جرأت است نسبت تلمذ بوی دارد آں دیار روی را استاد
نہ ہند ارد"۔ [2]

دیوانہ دراصل اپنے دور کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ دیوانہ کا
لکھنؤ کی فارسی شاعری پر بڑا احسان ہے۔ آپکا حلقہ بڑا وسیع تھا نہ
صرف ہندوؤں نے بلکہ مسلم شعرا نے اکثر اوقات آپ سے شعر و
سخن میں مشورے لئے ہیں۔ آپکے شاگردوں نے آپکی شاگردی حاصل

لہ: تذکرہ سفینہ ہندی ص ۲۷۔
۲ہ: " " "

ہونے پر فخر کیا ہے۔ شاگردوں میں متعدد حضرات اپنے زمانے کے استاد ہوئے ہیں۔ جوہر اور حیران دیوانہ کے ہی شاگرد تھے بھوپال کے نواب، جناب تصدق حسین خاں صاحب نے دیوانہ کے متعلق اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے :-

"دیوانہ رائے سرب سنگھ لکھنوی از قوم کھتری در اصل لاہوری است۔ مدتی بدہلی توطن گزید بعد از خرابی دہلی در لکھنؤ محل اقامت انداخت در اجہ جہانرائن، دیوان نواب شجاع الدولہ بہادر وزیر الممالک از اقربای او بودہ"

زان شوخ دیدہ اینقدرم خونبہا بس است — کز بیش چشم اہل عزا مرگ نگون گذاشت لہ

اس بات کا انتہائی افسوس ہے کہ اس فخر زمانہ شاعر کے اردو دیوان نایاب ہیں۔ اگر دیوانہ کا تمام تر فارسی کلام سامنے آ جائے تو ہندوستان کی فارسی شاعری میں گرانقدر اضافہ ہو جائے سرب سنگھ دیوانہ جیسے بیکر علم و فضیل نے ۱۲۰۴ھ المطابق ۱۷۸۹ء میں انتقال کیا ہے نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

غزل

الٰہی نشہ ذوق محبت دہ کلام را — کہ طالب از شراب شوق وحدت ساز جام را

بحکم عشق تو علامقبہ خواندم نام این دیوان — خداوندا بکن مخصوص خاصان منفی عام را

چو مرغ معنی رنگین بدام طبع من افتد — عطا فرما بر پرواز شہرت صید دام را

مرا در زمرۂ اہل سخن چون کردی از اول — بیفزا شوق ارباب معانی احترام را

تمام اندوہ در درون من زنگ تا تمام خود — تمام از فضل خود زنگ کارہای ناتمام را

عنوق ناقصم تا چند در حال حیا زرد — ز نقش بی حجابانہ کن سودای خام را

تخلص کردہ ام دیوانہ من از فدیہ عشقت — بفضل خود بگردان شہرۂ آفاق نام را ۳ے

فارسی دیوان رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ (حواشی اگلے صفحہ پر)

چون روم از کوئے تو وای در کوئے دگر | می روم سوئے دگر و دل میکشد سوئے دگر
زلف خوبش دلم اے حضرتِ دیوانہ مکن | ہست این دیوانہ در تحریر گیسوئے دگر
نہ پرسیدی مرا در نزع رفتی وای بیدردی | تو بیدردی نے ہرگز نبود این جائے بیدردی
تا جفا عت تا بکے از دیدہ خون بار دمے | آخر اے جاں کسے رحمے کہ جاں فدا دو گیسوئے

۳۳۔ راحت

منشی بھگونت رائے راحت ولد منشی دین دیال کائستھ ساکن قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ، شاگرد جناب آغا سید حسن امانت لکھنوی۔ راحت فارسی کے جید عالم تھے، فارسی ہی میں شاعری کرتے تھے۔ مذاق سخن شائستہ تھا۔ خوشگو تھے ہی ساتھ ہی پرگو بھی تھے۔ ۱۸۸۴ء میں بہ عالم ضعیفی انتقال فرمایا آپ کے اشعار نہیں مل سکے جس کا افسوس ہے۔

۳۴۔ رنج۔

راجہ بھاگ مل رنج کے والد موہن چند کھتری تھے۔ یہ راجہ سرب سکھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ رنج عین عالم جوانی میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ انکے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

بے گل روئیت ہمیشہ بہار | در خزاں شد مرا بہار افسوس
بغلط ہم نیامدی در خواب | رفت عمرم در انتظار افسوس
تو ز من میکنی کنارہ و من | چہ زخون میکنم کنار افسوس[1]

ص ۱۲۴ کا بقایا۔ [1]:۔ تذکرہ روز روشن [2]:۔ دیوانہ کا ایک فارسی دیوان رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔ یہ دیوان ۱۲۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔
[1]:۔ دیوانہ کی مندرجہ غزل اور یہ اشعار دیوانہ سرب سکھ کے اپنی قلمی دیوان سے ماخوذ ہیں [2]:۔ تذکرہ "بہار سخن" ص ۱۶۵
[3] تذکرہ "روز روشن"۔

۳۵۔ رفیق

لالہ بخشی نرائن رفیق پسر راجہ آنند رام، مرزا محمد حسین قتیل کے شاگرد تھے۔ خط نستعلیق اور خط شفیعہ لکھنے میں بڑے ماہر تھے۔ پہلے لکھنؤ میں رہا کرتے تھے لیکن ذریعہ معاش ختم ہونے کے بعد بنارس میں رہنے لگے۔

زر غمت خون دل مینا ہے شراب است امشب — جام ور شوق لبت چشم پر آب است امشب
فریاد کہ از شام خطت صبح قیامت — گل کرد و شب زاری ما را سحرے نیست[۱]

۳۶۔ روشن

روشن لال روشن، منشی اودھی لال کے فرزند ارجمند تھے آپکے بزرگوار نوابان اودھ کے دربار سے وابستہ رہے۔ آپکے چچا لالہ احمد خاں اور راجہ نول رائے کی جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔ اس وقت لالہ اودھی کی عمر صرف دو سال کی تھی، جب سن تمیز کو پہنچے تو تمام ضروری علوم سے فراغت حاصل کی اور انشاء نویسی میں مہارت پیدا کی۔ پھر ذ[ر]ع میں حکیم پاشا اشرف خاں سے اجارہ لیا۔ حکیم مذکور کے ظلم سے سال کے اندر ہی معزول ہو گئے جسکی وجہ سے بہت نقصان اٹھانا پڑا مجبوراً حویلی اور نقد و جنس وغیرہ بیچ کر لکھنؤ سے دہلی چلے گئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد نواب شجاعت الدولہ کے عہد میں جب لطافت علی خاں کے خواجہ سرا مقرر ہوئے تو سوار و پیادہ فوج کے ملاحظہ کے لیے شاہ جہاں آباد گئے چند سال وہاں گذارے اور پھر لکھنؤ واپس آئے۔ لالہ اتم چند ان سے بہت ناراض ہو گئے تھے اور انکا نام متصدیوں سے خارج کر دیا تھا۔ لیکن مہاراجہ ٹکیت رائے نرمند بہادر کی کوشش سے راضی ہو کر انکو پھر بحال کر دیا۔ اسکے بعد روشن لال کو لکھنؤ میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا علوم رسمی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے شعر گوئی شروع کر دی۔

---

[۱] تذکرہ روز روشن صفحہ ۲۵۳۔

نمونۂ کلام روشن

گر یار قدم بفرق سم آرد   سر پای بر آسمان بر گذارد
از آہن و سنگ گر بود دل   کے تاب گداز عشق دارد
دامن در یا شورش بخار   عاشق اگر آستین فشارد
عیسیٰ اگر اشود طبیب عاشق   بے یار بدرد جان سپارد

تا غمزۂ او قلم شگافد
گر روشن ورد و احوال دل نگارد

۳۷۔ رند۔ رائے کھیم چند رند، مہاراجہ لکشمی نرائن کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ طب میں اچھا دخل تھا۔ اور نواب آصف الدولہ کی سرکار سے وابستہ تھے۔ ابتدا میں راقم سے مشق سخن کی تھی۔ تیس ہزار سے زیادہ ابیات کہیں، "فرہاد و شیریں" کے وزن پر "قصۂ چہار درویش" اور "نل دمن" کے وزن پر "ہیر و رانجھا" نیز اسکے علاوہ دو تین مثنویاں کہی ہیں۔ بعد میں لکھنؤ سے کلکتہ چلے گئے۔ مولوی حفیظ الدین شہید آپکے نامی شاگرد تھے۔[1]
یاد باد آن شب کہ در پہلوئے ما جا داشتی   دست زیر گردن و صد فتنہ بر پا داشتی[2]

۳۸۔ رائے لکھمن لال۔ آپ کے والد کا نام لالہ اجمیری لال تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد کا وطن، موضع لہر مضافات انبر لہر تھا۔ نہایت انکی قدیم زمینداری تھی آپکے بابا لالہ رام پرشاد تہرپال سنگھ راجہ نول رائے کے زمانے میں وطن سے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ راجہ نول رائے کے قتل کے بعد اپنے سسرال سدھور

---

[1] : تذکرہ سفینۂ ہندی ص۸۵۔
[2] : " " " ص۹۶۔

چلے گئے۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔ لالہ اجمیری لال کے تین بیٹے (لالہ اکبری لال، لالہ بادھو لال، اور لالہ مکھن لال) پیدا ہوئے آپکے آباؤ اجداد اکثر پیشکاری کے عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ اور خود مکھن لال کا بھی مؤلف تذکرہ "سفینۂ ہندی" سے قریبی تعلق تھا لہ۔

مرا ز چشم و دل نور و سرور است | ہمیشہ چشم بد ز اید دور دور است

صغر سنی میں ہی تحصیل علوم و فارسی کی طرف متوجہ ہوئے بھگوان داس ہندی سے ہی اپنے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے۔ آپ پسندیدہ عادات و مزاج رکھتے تھے اور شیریں گفتار تھے۔ یہ آبدار ابیات انہیں کے ہیں۔

باز آمدنت باعث آبادی جاں شد | از عیش دل پیر دگر بار جواں شد
تا حال بہ پرسید ز حال دل زارم | از ضعف ہمہ قامت من خم چو کماں شد
اے ہم نفس از حال دل زار چہ پرسی | در عشق کسے خواب خود تاب و تواں شد

۳۹۔ راقم

نجار سنگھ راقم لکھنؤ کے رہنے والے کائستھ تھے شیریں گفتاری میں سارے ہندوؤں میں ممتاز تھے۔ خوشگو کے لڑکے تھے اور انکے لڑکے کا نام جواہر سنگھ جوہر تھا لہ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

ای الٰہی لبانت رنگ نسیں گلزاری | آرزو دارم کہ بخشی بے زدا او رسیں تہے
قافہ دوای تست رنگ تو رسیں دری دو او | حیرت افزائی مہ خورشید داری روئے تہے

۴۰۔ زخمی

رابہ رتن سنگھ نام اور زخمی تخلص تھا۔ یہ لکھنؤ کے باشندہ اور "سکسینہ" کائستھ تھے۔ آپ کے والد راجہ بالک رام صوبہ داری بہار اجھا اولو کے نائب

لہ: تذکرہ سفینۂ ہندی ص۹۶۔
لہ: تذکرہ صبح گلشن ص۱۷۲۔

تھے۔ رتن سنگھ زخمی ۲۳ محرم ۱۱۹۶ھ کو بمقام لکھنؤ[1] پیدا ہوئے فارسی، عربی، انگریزی، اور ہندی زبانیں عبور کی حد تک حاصل کرلیں۔ علوم عقلیہ و نقلیہ خود بڑی دلچسپی سے حاصل کئے۔ شعر گوئی میں مرزا محمد حسین قتیل کی شاگردی اختیار کی۔ آپ، نواب نصیر الدین حیدر کے اتالیق بھی رہے پھر داروغگی کا عہدہ سنبھالا آخر حیات میں میر منشی مقرر ہوئے۔ "فخر الدولہ"، "دبیر الملک" اور پھر منشی الملوک کے خطابات بھی پائے۔ بادشاہ محمد علی نے بھی انکو پہلے منشی مقرر کیا پھر محکمۂ دیوانی کی خدمات سپرد کیں۔ لیکن جب امجد علی شاہ، بادشاہ ہوئے تو ان کو دونوں عہدوں سے معزول کر دیا۔ زخمی اعلیٰ درجہ کے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نثر نگار بھی تھے۔ انکی یاد میں ایک قلمی دیوان موجود ہے۔ ہندوستان کے بہت سے مقامات کی سیاحت بھی کی۔ ابتدا میں وہ کمپنی سرکار کے ملازم تھے۔ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا[2] ۷۱ سال کی عمر میں ۱۸۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

غزلِ زخمی

اے غازہ ز نامِ تو برخ شاہدِ من را	پیرایہ ز وصفِ تو عروسانِ سخن را
از دیدنِ تو کافرِ عجبی نیست کہ در حشر	صد بار ز نم بشنِ خدا چاک کفن را
تا دل شد آوارہ دراں لطف پریشان	آشفتہ است تمام سفرم صبحِ وطن را
زاں بادہ کز دستیِ منصور ترا داد	ساقی قدح لطف کن ایں تشنہ دہن را
پیند مرادیتھہ چو خاستہ نالاں	اے از تو سرافرازیِ نو سرو چمن را
بخشد اگر جان و دہے بسمل عجبے نیست	آبے است دگر خنجر آں عہد شکن را

زخمی تنکہ زتت چشم سفید است کہ داریم
نسبت بکف پائے کسے برگِ سمن را

---

[1] انیس العاشقین، از زخمی۔ مخطوطہ ٹیگور لائبریری لکھنؤ۔ [2] زخمی: مطبوعہ جمادی الآخر ۱۲۵۳ھ مطبع سنگین محمدی

نمونۂ مخمس

کجا خواب و خورش و کو چشم صبح وا کردن
بمن ہر شب ز درد دل بگوئیں نالہا کردن
شود تا ورد ۂ شوق ز زرہ جان فدا کردن
چہ باشد عاشقی خود را بغمہا مبتلا کردن
بصد خون جگر بیگانہ اے را آشنا کردن

گرفتم جان من جا کرد از بیداد او بر لب
کشیدم صد جفا ہر روز و دیدم صد بلا ہر شب
بصد تقریب کردم پیش او اظہار ہر مطلب
چہ حاصل زاں ہمہ افسانہ مہر و وفا یارب
کہ نتوان در دل بے مہر او یک ذرہ جا کردن

عجب بود گر باین ہمہ بے رحمی جاناں
کند زخمی فدا در راہ او جان و دل و ایماں
ہمیں بود است طرز عاشقان خستہ ہجراں
فغانی کمتریں باز نیست در عشق نکو ادیاں
جفا از یو فا دیدن و نامش را وفا کردن

از رباعیات

درماندہ ام و ہمنفسی نیست مرا
نی نالم و فریاد رسی نیست مرا
یارب بنظر بحال زارم از رحم
جز مسلم و جز تو کسی نیست مرا

۱۸۴ - زار

لالہ خناب رائے فرا کر دلدار جوہن سنگھ آصف الدولہ کے یہاں منشی تھے ۔ انکے بزرگوار بھی دیہات کے قانون گو تھے ۔ چچا وغیرہ دفتر کے متصدّی تھے ۔ زار لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۔ خوش خلق اور پسندیدہ اطوار کے مالک تھے ۔ فن شعر گوئی میں سرب سکھ دیوانہ کے شاگرد تھے ۔

غزل زار

بامید یکہ روزے چشم بر رشتے تو اندازم
شوم در دل بستر بر سر کوئے تو اندازم
من از بیطاقتی آہستہ آیم بر سر کویت
کہ خود را رفتہ رفتہ تا بہ پہلوئے تو اندازم

لہ زخمی ۔ مطبوعہ جمادی الآخر ۱۲۵۳ھ مطبع سنگین محمدی ۔

اجازت گر دہی ہواین زار دبے تقصیر مجزون[۱] بیا دم خوش بپائے سرو دلجوئی تو اندازم[۵]

۴۲۔ زار

لالہ بنڈ و لال زار سکسینہ کالستھ تھے۔ اصلی وطن اگرچہ بلگرام تھا لیکن سکونت لکھنؤ میں اختیار کرلی تھی۔ ان کے والد کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض تذکروں میں ان کے والد کا نام "جیندی لال"[۲] بتایا گیا ہے، جبکہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے "میتھی لال" لکھا ہے[۳]۔ لیکن تذکرہ خمخانہ جاوید میں "جیندی لال" ہی درج ہے[۴]۔ فارسی زار نے اگرچہ حیدر علی طباطبائی سے پڑھی تھی لیکن شاعری میں وہ "طوطا رام عاصی" کے شاگرد تھے۔

زار کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ منشی گوبند پرشاد فضا، دولت رائے دولت، نوندھ رائے وغیرہ آپ کے ہی شاگرد تھے۔ زار کو نظم و نثر، دونوں پر برابر کا عبور تھا۔ نواب غازی الدین حیدر کے زمانے میں حیات تھے۔ ۱۸۵۵ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔ دیوان فارسی، رسائل "نادر بازار" بہ تتبع "نیا بازار" رسائل علم العروض و معنی "بحر العلوم" ہفت صحیفہ "بطرز" پنج رقعہ" اور جاوید بہار" وغیرہ[۵]

۴۳۔ زاری

منشی منولال زاری، لکھنؤ کے کالستھوں میں تھے۔ اول میر قمر الدین منت و آخر میں مرزا قتیل کی شاگردی میں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ صاحب دیوان[۶] تھے۔ چند اشعار یہ ہیں:۔

۱۔ تذکرہ روز روشن۔ ۲۔ تذکرہ شعرائے ہنود ص
۳۔ تذکرہ سراپائے سخن ص ۳ ۴۔ تذکرہ خمخانہ جاوید
۵۔ صبح گلشن ص ۱۸ ۶۔ زاری دیوان قلمی مشتمل بر صفحات ۵۰۰ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

براغِ ناامیدی این دلِ دیوانہ می سوزد — ازیں غم آشنا می گیرد و بیگانہ می سوزد
بود بازارِ گرمی ہائے شمعِ جاں گدازیہا — خنک آں دل کہ خود را در غمِ جانانہ می سوزد
بسانِ شمع استاد است ہر سو خلق زآری
ببین اے صاحبِ محفل چہ استادانہ می سوزد

قصیدہ

برباد دہد کی گہر رازِ تو دانا — کردند بگنجینۂ دل جوہر سودا
ہر شب بکفِ چرخ بود سبحۂ انجم — تنہا نہ ملائک شدہ در ذکرِ تو گویا
افسوس کہ بارانہ بود دیدۂ موسیٰ — ورنہ دمد از ہر در و دیوار تجلی
سر زد ز دلِ تیرہ من مطلعِ روشن — پر نور شد از پرتوِ او عالمِ ادنےٰ[1]

۴۴۔ سبقت

آپ کا نام لالہ سکھراج، تخلص سبقت اور وطن صوبہ اودھ میں لکھنؤ کے آس پاس کہیں پر تھا۔ آبا و اجداد عمدۃ الملک اسد خاں وزیر کی ملازمت میں تھے۔ آپ بڑے ہی فہیم اور طبع رسا رکھتے تھے۔ اور اخلاقِ حمیدہ و اطوارِ پسندیدہ کے مالک تھے۔ آپ نے علوم میں صرف و نحو، منطق و فلسفہ، بیان، معنی، معمہ، تواریخ وغیرہ کا محنت شاقہ سے مطالعہ کیا۔ جناب مرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ مرزا صاحب اکثر فرماتے تھے کہ "سبقت بر جمیع ہندو بچگان فائق است۔" کچھ عرصہ تک میر سامانی اور پھر سرکار سید اللہ خاں کی دیوانی سے وابستہ رہے دکن کی جنگ میں امیر الامرا سید حسن خاں کے لشکر کے ہمراہ موجود تھے۔ فتح یابی کے سلسلہ میں "جنگ نامہ تحریر کیا۔ جو "شاہ نامہ" کی بحر میں تھا۔ اس میں سات ہزار اشعار ہیں۔ اس کے عوض میں بطور

---

[1] دیوانِ زآری۔ قلمی، رضا لائبریری رامپور سے ماخوذ۔

انعام "پانصدی" منصب آپ کو تفویض کیا گیا۔
مالوہ میں راجہ گردھر بہادر ناگر سے کچھ ناچاقی ہو گئی۔ اس ناچاقی کے نتیجہ میں سبقت کا ایک ہاتھ تیر سے گھائل ہو گیا۔ باقی بیگ خاں نامی افغانی سے پانچ ہزار سوار لے کر زور دار حملہ کیا اس میں ایک زہر آلودہ تیر سے ایسے گھائل ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ حکیم چند ندرت نے جو ان کے دوست تھے اس مصرعہ سے تاریخِ وفات نکالی ہے۔

ہائے سکھراج زمانہ سبقت

قریب دس ہزار اشعار کا مجموعہ ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ اس قدر اشعار رکھتے تھے۔ یہاں "جنگ نامہ" سے چند اشعار نقل کئے جا رہے ہیں:

کتاب است رنگین سوادِ چمن ۔۔۔ کہ دارد زنام خدا ہر سخن
خرد پیشہ ام حرفِ حق می زنم ۔۔۔ فغانے ز تحقیقِ شق می زنم
چو نقشِ پا بسر کوئے انتظار کسے ۔۔۔ نشستہ ام کہ شوم خاک رہگذار کسے
ز رنگ باختنِ یار سخت حیرانم ۔۔۔ برنگِ آئینہ باشد مگر دو چار کسے
ہدایت یکطرف ترسم کہ صحبت با اثر دارد ۔۔۔ بود شیخ عصا در دستِ من سبقت کہن سنگی

۴۵۔ سخن

منشی رام دیال سخن، پریم سکھ کے فرزند، لکھنؤ کے باشندہ اور جناب ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ نہایت ذہین و زیرک اور طباع شاعر تھے فارسی میں اچھا ملکہ رکھتے تھے اور قصیدہ گوئی میں مشہور تھے۔ "قصائد انوری اور خاقانی کے جواب میں لاثانی قصائد لکھے ہیں۔ آپ کے والد گھڑی سازی کا پیشہ کرتے تھے۔ عنفوانِ شباب میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔

٭

لہ تذکرہ خوشگو۔ از بندرابن داس خوشگو صنہ ۱۶۰ تا ۱۶۲

۴۶۔ شاداں

لالہ بودھی لال شاداں ولد لالہ روپ لال اگروال نہایت ہی خوش نویس، تیز طبع اور ذہین شاعر تھے[1] بطور نمونہ دو اشعار شامل کتاب ہیں۔

ہر گاہ کہ از مشی من آں جا جہاں رفت ۔ جاں در پیہ او رفت و دلم ہمرہ جاں رفت

از جانِ جہاں آہ تواں رفت ولیکن ۔ جاناں ز سر کوئے تو ہر گز نتواں رفت

۴۷۔ شامل

لالہ دیبی پرشاد شامل لکھنؤ کے کایستھ شاعروں میں تھے

اے درد میاز ار مرا ایں قدر ام شب ۔ بگذار کہ دستی بہم از رہبر سرام شب

چوں تعزیہ داران بہ سر نعش دل ما ۔ مرثیہ خوانست والم نوحہ گر ام شب

اے بت ہو حالِ شیدا نتواں گفت ۔ آری سخن از کعبہ تو رسا نتواں گفت

۴۸۔ شایاں

منشی طوطا رام شایان خلف منشی آتما رام ابن لالہ منکہ رائے ابن لالہ منارائے بن رائے تلسی رام کایستھ، سر بواستوا، لکھنؤ کے باشندہ تھے۔ منشی تلسی رام کو نواب آصف الدولہ نے "رائے" کا خطاب مع مہر نگین زمرد عطا فرمایا تھا خود شایاں اور آپ کے آبا و اجداد بھی عہد شاہی میں جلیل القدر مراتب پر فائز رہے۔ نظم رزمیہ میں اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ ۱۸۰۰ء میں انتقال فرمایا۔ باوجود سعی البسیار آپ کا کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

۴۹۔ شائق

نام را دھے کشن تخلص شائق تھا۔ گلاب رائے کایستھ کے فرزند ارجمند تھے۔ راجہ بخت رائے کے انتظام سلطنت سے منسلک تھے۔

اے شوخ نجیں تو ندیدیم کسے را ۔ دیدیم ز خوبانِ جہاں گرچہ بسے را

---

[1] تذکرہ روز روشن صفحہ ۳۱۷۔ [2] تذکرہ روز روشن صفحہ ۳۱۹۔

۵۰۔ شعلہ

پنڈت امرناتھ شعلہ پسر وشنا رام نے جو شہر کے مشہور کشمیریوں میں تھے۔ سبحان علی خاں کی رفاقت میں پچاس سال بسر کرکے انتقال فرمایا۔ موزونی شوخیِ طبع اور سنجیدہ فکری آپ کی خصوصیات تھیں۔

خون است دل از صدمۂ جانخوب خارا — آسان نبود بوسہ زدن آن کفِ پا را
دادی بہ بتان شعلہ دلِ صاف چہ کردی — افسوس کہ آئینہ زدی بر سرِ خارا
شعلہ گر آہِ جہان سوز کشم معذورم — چہ کنم آہ چہ سازم جگر و جانم سوخت [1]
شہید تیغِ جور نشد عزیز مردم از غیرت — چہ جائے دوست کاری کرد کز دشمن نمی آید
بہ این سودائے خامِ من کہ آن یوسف لقا را — بہ نقدِ قلب جان و دل خریدن آرزو دارم [2]
باز خود را ہدفِ ناوکِ یارے کردی — آخر اے دلِ پُر درد چہ کارے کردی

۵۱۔ شہید

راجہ بھگوان سہائے شہید، راجہ رتن سنگھ زخمی کے نانا تھے۔

فریاد ازین شہرِ پُر آشوب کہ طفلے — دل ہیچ مرا کشتہ و فریاد رسی نیست
لبِ بشکوہ وامکن بہ جفائے یار خوش شو — اگر اے دلِ بلاکش ہوسِ وصال داری [3]

۵۲۔ شیدا

شیدا تخلص اور پریم ناتھ نام تھا۔ والد کا نام نامی پنڈت بھولاناتھ مٹو خلف دیاناتھ مٹو تھا۔ شیدا کے آبا و اجداد نواب شجاع الدولہ کے عہد میں کشمیر سے اودھ آئے اور ملازمت اختیار کی۔ شیدا تحصیلداری پر تحصیل لکھنؤ میں ملازم تھے۔ تاریخ ولادت و وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔ امجد علی شاہ، شاہ اودھ کے زمانے میں انتقال ہوا۔ [4]

---

[1] و [2]: تذکرہ روز روشن ص ۳۴۷۔
[3]: " " ص ۳۶۸
[4]: تذکرہ بہار گلشن کشمیر حصہ اول ص ۲۸۔

غزل

الٰہی دُرفشاں از حمد کن مدحِ زبانِ ما — لبندِ خاطرِ اہلِ زباں گرداں بیانِ ما

زبانِ من اگر یارب سخن راند ز تو سازد — بہ اسمِ پاک تو جنبد اگر جنبد زبانِ ما

تجو و در حیرتم من از کجا آئیم کدام ہستم — چہ می پرکنی زمین اے جانِ من نام و نشانِ ما

بر در محشر باکے نیست شیدا اندریں عالم
زمینم خاکِ جسم تو دیدہ آہم آسمانِ ما[1]

در وصفِ نبادش[2]

جبینِ خود بسا از آنست سنگِ آستاں اینجا — خوشا آدروائے بادل ترا بخت جواں اینجا

نبادش سرزمینِ پاک وا افضل معبدِ عالم — ملائک را تمنا کہ شوم از مردماں اینجا

بہ تحقیقش مسموم زدن شید لعبہ خبط آئی بمیدانی — بیاں گم دور توصیف تکلفِ دو زبان اینجا

۳۵۔ شکری

کنور دولت سنگھ شکری راجہ رتن سنگھ کے بیٹے تھے لکھنؤ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ آپکے والد نے ہی آپکو فارسی کی تعلیم دی اور انکے علاوہ میر نجات کی مثنوی "گل کشتی" کا درس دیا تھا۔ شکری کو تعلیم دینے کے سلسلے میں ہی زخمی (رتن سنگھ) نے شرح گل کشتی لکھی تھی[3]۔ شکری بھی اپنے والد ہی کی طرح بڑے نکتہ سنج تھے۔ آپ ریاضیات کے بھی ماہر تھے۔ ایک بنگالی تذکرہ نویس شکری کے بارے میں یوں لکھتے ہیں[4]۔

"شکری۔ کنور دولت سنگھ لکھنوی فرزند راجہ رتن سنگھ زخمی ولادتش در شہرِ لکھنؤ سنہ الف و مائتین اتفاق افتادہ مردی

۱۔ تذکرہ بہار گلشن کشمیر ص ۵۲۹۔ ۲۔ تذکرہ بہار گلشن کشمیر
۳۔ شرح گل کشتی۔ مولفہ راجہ رتن سنگھ زخمی۔
۴۔ تذکرہ روز روشن۔ ص ۲۵۱/۲۵۲

خلیق و مہذب و ادیب و موقع شناس نکتہ سنج و نکتہ رس و دقیقہ رس در علم ریاضی، خلف الصدق پدر خود بودہ "

شگری نے ایک دیوان بھی بطور یادگار چھوڑا ہے [۱]

غزل شگری

دارم از عشق بتان حال خرابے کہ مپرس — غم خود میگذارم بہ عذابے کہ مپرس
در نظر جلوہ نما برق تجلی گردید — چون برافگند رخ طرف نقابے کہ مپرس
دوش سرمست مے از خانۂ خود آمدہ بود — رفت از پیش نگاہم بشتابے کہ مپرس
شب کہ در بزم او عرض تمنا کردم — خشم آلود بمن داد جوابے کہ مپرس
التفاتش نہ بحالم نہ مرا تاب نگاہ — درمیان من و یار است حجابے کہ مپرس
انتظار خط آن شوخ کشیدم عمرے — عاقبت نالہ برآورد جوابے کہ مپرس
شوخ در غلط غنچہ خود دوش اے شگری
داد در خواب بمن جام شرابے کہ مپرس [۲]

رباعی

گاہے بطواف خواندی مارا — گاہے بدر دگر فشاندی مارا
خواندی مارا باز راندی مارا — اے عشق کجا کجا رساندی مارا

برشہادت حضرت حسین [۳]

خنجر چو برگلوئے شہ انس و جان نہادند — سر بہ زمین ملائک ہفت آسمان زدند
ہر دم از درد جگر بانوئے مضطر گریست — چون برائے شیر در گہوارہ اصغر گریست [۴]

۴۵۔ صبوری

رائے بالک رام صبوری، راجہ رتن سنگھ زخمی کے والد تھے۔ اور نواب اودھ کی حکومت میں "میر آتش" کے عہدہ پر ملازم تھے۔ آثار

لہ:۔ شرح گل کشتی۔ از راجہ رتن سنگھ زخمی۔

لہ۔ لہ:۔ ماخوذ از دیوان شگری قلمی ٹیگور لائبریری لکھنؤ۔

توپ خانہ بالک گنج لکھنؤ میں آج بھی بطور یادگار باقی ہے۔

سربازیِ محمد ویدی در اندی زورِ خود   قربان شومت حاصل آں بندگی انیست

۵۵۔ صبا

منشی گوبند لال صبا لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام منشی گوکل چند تھا۔ صبا، علومِ معنی، بیان، عروض، قافیہ، معمہ، حساب، جبر و مقابلہ، جغرافیہ، تاریخ، مساحت و فلاحت وغیرہ میں دستگاہِ خاص رکھتے تھے۔ نقاشی، مصوری، نستعلیق و ناگری، انگریزی اور ناخن نگاری میں بدرجہ کمال آگاہی رکھتے تھے۔ امیر مینائی نے صبا کی بے انتہا تعریف کی ہے[1] ۱۲۹۰ھ میں انکی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ آپ نے عربی میں بھی اشعار کہے ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

نشانِ او چو فشاند بہ بیستون انگشت   برآمد از غمِ شیریں ز سینہ فرہاد

ز فرطِ وسوسہ بہ خواہِ او بہ غم باشد   چنان کہ مفلسِ مسکین ز حسرتِ اولاد

چہ طرفہ صبح کہ بر روئے صاف روزِ ازل   ز خاکِ مقدمِ خود غازۂ طرب مالید

چہ طرفہ صبح کہ در چشمِ باز شامِ ابد   ز گردِ دامنِ خود سرمۂ سرور کشید

۵۶۔ صبا

جے جے رام نام، صبا تخلص، بنارس کے باشندے اور جناب سیتارام کے فرزند ارجمند تھے۔ صبا منشی لکشمی نرائن کے شاگرد تھے۔ عرصۂ دراز تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ آخیر عمر میں بنارس میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

زبانِ شکر کہ در دہانِ زخمِ من پیکاں   چو تیرِ ناز بہر قتلم آں سفاک بر دارد[2]

تذکرہ [1]: تذکرہ انتخاب یادگار۔ مؤلفہ امیر مینائی صفحہ ۱۹۲

[2]: تذکرہ روز روشن صفحہ ۳۸۸۔

۵۷۔ صفا

رائے منولال صفا کے والد کا نام راجہ پورن چند تھا اور وہ لکھنؤ کے باشندہ تھے۔ علوم عقلیہ و درست نویسی و دو روشن طرح کے خطوط لکھنے میں انھیں کافی مہارت حاصل تھی۔ صفا کے بھائی جناب صاحب رام، قاضی اختر کے شناساؤں میں تھے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

سزائے غرور تو این بود کہ این ناکس چندی | ترا بہیچ و بہر آشنائی کرد
بیم از تشنگیِ روزِ جزا نیست صفا | کہ امید ترم از ساقیِ کوثر دارم

رباعی

اکنون کہ شباب مدت دیری آمد | وز ایں سنجاک ناگزیری آمد
بیہودہ چہ در کشاکشی ہیچ کمان | بنشیں کہ زمانِ گوشہ گیری آمد[1]

۵۸۔ ظریف

لالہ بینی پرشاد نام ظریف تخلص جناب روشن لال کے فرزند ارجمند اور لکھنؤ کے باشندے تھے۔ شاعری میں آپ جناب غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد اور خود بھی صاحب دیوان تھے[2]

شعر:۔ از بہر قطع کردنِ نخلِ حیاتِ من | چون ارہ تو دم نفسم در کشاکش است

۵۹۔ ظفر

لالہ ٹیکا رام ظفر لکھنوی، پنڈت دیا رام کشمیری کے بھتیجے تھے
افسوس ہے کہ آپ کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہو سکے ہیں۔

قلم سنبل شود گر حرف گیسوئے تو بنویسم | خطم صورت کند پیدا اگر روئے تو بنویسم

۶۰۔ ظہور

۶۰۔ ظہور۔ منشی جوگل کشور ظہور خلف منشی جے گوبند پرشاد کا نسیم

۱:۔ تذکرہ روز روشن ص ۳۹ ۔ ۲:۔ تذکرہ روز روشن صفحہ ۲۶۶
۳:۔ " " " ص ۲۱۸۔

میر لوا سعو ا متوطن لکھنؤ، محلہ اصطبل چار باغ، شاگرد جناب خواجہ حیدر علی آتش ہیں۔ آپ فارسی نثر و نظم میں اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ بہایت با اخلاق خوش مزاج رئیس اور راجہ جیالال گلشن کے داماد تھے۔

۱۶۱۔ عاشق

پنڈت شیو کشن رلّو عاشق۔ دیوان سرکشن رینہ کے بھائی تھے آپ نسیم لکھنوی کے ہم زلف اور ناسخ لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ ضلع باندہ اور یوپی کے دیگر اضلاع میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔ آپ پنڈت بدری ناتھ اور پنڈت کیدار ناتھ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپکی پیدائش کا سال ۱۲۶۷ھ ہے۔ مرنے سے تین روز قبل تک سکندر کی ورزش ہنیں چھوڑی۔ نوّے سال کی عمر میں بمقام الہ آباد وفات پائی۔

کاشنہ تو روز بہ نقاب کفن گرفت — بلبل قبا دریدو دامن از پرہن گرفت
عاشق تو گفتہ اے غزل تر دریں زمین — عاشق زراہ غیرت سواد سخن گرفت
گرد دو خون جگر اند بدیدہ ہم روز زیست — سید بدآید دم شمشیر با قاتل زسنگ
گرد دو آبے زسر از دیدہ عاشق بالک نیست — شید راہ سیل گر سازد بہم ساحل زسنگ

۱۶۲۔ عاشق

رائے بھانو عاشق لکھنوی کے والد کا نام راجہ جگناتھ تھا اور آپ میر بہکم دیوانہ کے شاگرد تھے۔

مرا کاش آں بت بے رحم من آزاد گرداند — چوں آں صید یکہ گرد سرش صیاد گرداند

۱۶۳۔ عاشق

موہن لال عاشق کے والد کا نام لالہ نند لال تھا۔

۱۔ بہار گلشن کشمیر حصہ دوم صـ۱۱۰ ۔ بہار گلشن کشمیر حصہ دوم صـ۱۱۱
۲ : تذکرہ نند لکشن صـ۱۴۲ ۔

اور آپ راجہ بیجناتھ لکھنوی کے پوتے تھے۔ خط شفیعہ بہت اچھا لکھتے تھے۔ ذیل کے چند اشعار آپکی شاعرانہ صلاحیت کا پتہ دیتے ہیں۔

دمِ جاں سپردن ہمی گفت عاشقؔ — دریغا کہ جاں رفت و جاناں نیامد
در پردہ نہانی ز دل خلق ربائی — فریاد از آں شوخ کہ از پردہ برآئی
ہر کس کہ منِ غمزدہ را از تو جدا کرد — خواہم کہ ببیند چوں من از تو جدائی [1]

۶۴۔ عاشقؔ

نام پنڈت درگا پرساد تھا اور عاشقؔ تخلص۔ آپ پنڈت ٹیکا رام لکھنوی کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے دادا پنڈت کنہیا لال نکہتؔ شاعر تھے۔ شاعری کی صفت آپکے یہاں موروثی طور پہ چلی آرہی تھی۔ پنڈت کنہیا لال ایک بار کشمیر سے بہت سے قلمی نسخے لائے تھے جن میں بیشتر کتابیں ضائع ہو گئیں اور جو بچی ان میں پنڈت درگا پرساد عاشقؔ کا ایک مجموعۂ نظم بھی تھا۔ یہ مجموعہ بھی عاشقؔ کی سوانح عمری کے بارے میں خاموش ہے۔ البتہ سرورق پر قطعۂ ذیل درج ہے جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعۂ مذکورہ میں لکھا گیا تھا [2]

ہست ز تو روز و شب و صبح و شام — سلسلۂ کارِ جہاں را نظام
وصفِ تو بیروں ز حدِ گفتگو است — خاکِ درت مایۂ صد آبرو است

۶۵۔ عشرتؔ

پنڈت دیاندھان عشرتؔ لکھنؤ کے مشہور کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مرزا قتیلؔ کے شاگرد تھے۔

کم ہر بہ از غمزۂ خوباں بجاں بلائے عشرتؔ — کافر باشم گر بکنم در کوچۂ ایشاں باز گذر [3]

---

[1] تذکرہ بہار گلشنِ کشمیر حصہ دوم ص ۳۶۔ [2] تذکرہ بہار گلشنِ کشمیر حصہ دوم ص ۱۳۶۔
[3] تذکرہ روز روشن ص ۴۵۵۔

۶۶۔ عشق۔ آتمارام عشق کے والد کا نام من سکھ رائے تھا اور آپ کے چچا تلسی رام نواب سعادت علی خاں کے یہاں ملازم تھے۔ فارسی کی نثر نگاری میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ نثر کی طرف عشق کی توجہ زیادہ تھی اور نظم کی جانب کم۔ پھر بھی آپ کے اشعار سے آپکی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے۔

آں طرف زلف سیہ کارِ حجابِ عارض — این طرف جمعیِ نظارہ پریشانی چند
ہمہ زبانم چوں نشوم در صفتِ گریہ عشق — کردہ حیرت بجز ما صاحبِ سامانی چند[1]

۶۷۔ عاصی۔ منشی رائے طوطا رام المتخلص بہ عاصی، بلگرام ضلع ہردوئی کے باشندہ تھے۔ آپ اصل میں دہلی کے شاہی میر منشیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ منشی پنڈت دلال رام کے شاگرد تھے۔ ۱۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ فارسی کا ایک دیوان یادگار ہے۔

ہمیں نہ گشت بحمد تو ام زبان گویا — بیانِ نی بہ تنم شد ہر استخوان گویا
یقین کہ عاصیِ دیوانہ ہم ز بیدلیِ عشق — شود بحمد تو با خوشترین بیان گویا[2]

رباعی

نازم بدلے کہ شد طلبگارِ خدا — دین و دنیا باختہ در کارِ خدا
زاہد بخدید بحشر و من امروزم — در کوئے صنم ناظرِ دیدارِ خدا
از جذبۂ عشق بود مجبورِ خدا — مے خواست از خودی گریزِ خدا
شد حسنِ تو جلوہ گر بعالم گردید — بر صفت خود ثنا کرد شکوہِ خدا[3]

---

[1] تذکرہ روز روشن ص۴۸۵۔ [2] دیوان عاصی قلمی۔ رضا لائبریری رام پور۔
[3] ،، ،، ،، ،، رامپور

۶۸۔ **عبور** کنور رامے سنگھ عبور خلف راجہ جیالال گلشن کائستھ ہمرلیا استوا متوطن لکھنؤ سال ولادت ۱۸۳۵ء۔ آپ فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے ۱۹۰۹ء میں بعمر ۹۰ سال انتقال ہوا مزید حالات اور کلام باوجود سعی بسیار کے نہ مل سکے لہ

۶۹۔ **فرحت** لالہ دین دیال فرحت لکھنوی ولد ہمت سنگھ ابن بولاقی داس۔ آپ بلگرام کے باشندہ تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد حکومت میں راجہ ٹکیت رائے کے یہاں ملازم تھے۔

دلے دارم کہ در جان خار خار گلستان دارد ۔۔۔ نہ شوق سیر صحرا نے ہوائے بوستان دارد
چگونہ جان برم از ترک چشم او کہ فرحت ۔۔۔ بقتلم تیر از مژگان و از ابرو کمان دارد ۲ہ

۷۰۔ **فصیح** پنڈت دیا دھر نام فصیح تخلص تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے اور مرزا محمد حسین قتیل کے شاگرد رشید تھے۔ فارسی نثر و نظم کے شائق اور اس میں مہارت رکھتے تھے۔

خوش جامہ جائے کہ بسو گل جانان جیبش آمد ترا ۔۔۔ خاری بود در پیرہن آنجا چہ پیش آمد ترا
نزدیک محرم است فصیح از غم دوری ۔۔۔ آید بتالیف نوحہ آن رنگ پریدی راست ۳ہ

۷۱۔ **فضا** منشی گوبند پرشاد فضا کے والد کا نام منشی دیبی پرشاد تھا۔ انکے بڑے بھائی کا نام شو بھارام رونق تھا۔ انہیں کی نگرانی میں آپکی

لہ: تذکرہ بہار سخن ص ۲۷۵۔ ۲ہ: تذکرہ روز روشن ص ۵۱۶۔
۳ہ: تذکرہ روز روشن ص ۵۱۳۔

تعلیم و تربیت ہوئی۔ شعر و شاعری میں منشی منیٹھ لال زار کے شاگرد تھے افسوس ہے کہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

۲۰۲۔ فیض[1]

کرتا کرشن فیض اگرچہ اپنے وقت کے مشہور شعراء میں تھے مگر تعجب اور افسوس ہے کہ آپکے حالات زندگی کہیں نہیں ملتے البتہ کلام دستیاب ہے اور یہاں چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں[2]

خداوندا مدہ رحمے بآں سرخیل قاتلہا
کہ رنگین میکند دست از حنائے خون بسملہا

از خاکِ صدر بخش نور فرزدیم جبین را
دادیم جلائے دگر امروز نگین را

اے فیض بیاد گل رخسار کہ کردی
یک نغمۂ گل از اشک ہمہ روئے زمین را

آہ بودم گرچہ سنگ کعبہ و بتخانہ را
یافتم نقش جبیں خاک در میخانہ را

شعلہ زن در کوئے جاناں بود نقشِ آتشی
سوخت نالۂ آہش آتشان فیض کاشانہ را

قطعہ

عید رمضان رسید دلہا ز طرب
بشگفت برنگ غنچہ از فیض صبا

ہر روز روزہائے عمر تو بود
روشن دہ روز عید از فضل خدا

مخمس (حافظ کی غزل پر تضمین کی ہے)

بہار آمد بگلشن نہ ہمت غم بر ساغر اندازیم
زبرگ گل بروئے سبزہ طرح بستر اندازیم
ز جور چرخ تا کے خون دل مژگان تر اندازیم
بیا ساقی گل افشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم۔

---

[1] تذکرہ انیس العاشقین (قلمی) از راجہ رتن سنگھ زخمی۔
[2] :۔ دیوان فیض مصنف کرتا کرشن فیض مطبوعہ بیت السلطنت لکھنؤ بمحلہ رام نگر ۱۲۶۱ سنہ ھ۔

۷۳۔ قریب

لالہ جنی لال قریب لکھنوی ولد رائے الوپ چند۔

آپ راجہ دیا کشن کے بھائی تھے جو حکومت اودھ کے دیوان تھے طبیعت میں شعر گوئی کی موزونیت فطری طور پر موجود تھی۔

نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن است قریب — نہ آب دیدہ مرا یارے در نگاہ فتادا رہ
من جان و دل بتمزۂ جانان فروختم — جنس گران بگر کہ چہ ارزاں فروختم[1]

۷۴۔ تریب

آپ کا حقیقی نام کشن چند تھا اور تریب تخلص کرتے تھے۔ ہندی کے مشہور تذکرہ نگار بھگوان داس نے آپ کے بارے میں مندرجہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔

"کشن چند، تریب ولد الوپ چند برادر کہتر دیا کشن قوم کائستھ سکسینہ، شاہجہان آباد قدیم وطن اوست، در عہد سلطنت محمد شاہ وارد لکھنؤ گشتہ در توابستہ سکونت اختیار کردہ، جد و پدرش کارہائی لائق ممتاز بودہ خودش ملازم سرکار دولتمدار نواب آصف الدولہ بہادر است، بعزت وقار بسر می برد با راقم کمال اتحاد دارد۔ در شعر و سخن اصلاح از جناب ارشاد گرفتہ۔ طبع رسا و فہم و ذکاء درست دارد۔"[2]

آپ کے دو اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

سر از تنم جدا شد و جان از جدا نہ شد — بیگانہ شد دل از من، و او آشنا نہ شد

لہ:۔ دیوان فیض۔ مصنف کرتا کشن فیض مطبوعہ عہد سلطنت لکھنؤ۔ بمحلہ رام نگر لکھنؤ ۱۲۶۱ھ۔

لہ:۔ تذکرہ روز روشن ص ۵۵۶

دل تنگ چوں دہان نگارم زریں جہاں ؎   روئے خزاں ندیدہ گلستان مستانہ ہے[۱]

۷۵۔ مسکین

جناب ملہار سنگھ مسکین، گلونت رائے کھتری کے فرزند تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے جبکہ یہ دہلی کے وکیل تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد انکی جگہ پر متعین ہوئے۔ باپ بیٹے دونوں گرو نانک کے معتقد تھے۔ بندرابن راقم سے دوستی تھی۔ بہت رنگین مزاج ظریف اور شگفتہ رو تھے۔ جب طبیعت موزوں ہوتی تھی شعر کہتے تھے[۲]۔

۷۶۔ مستانہ

رائے مکند لال مستانہ سری واستو کایستھ تھے۔ آپ کا اصلی وطن غازی پور تھا۔ آپ کے خاندان کے لوگ بہرائچ میں نواب کی جانب سے تاریخ نگار مقرر ہوئے تھے اور وہیں پر سکونت اختیار کر لی تھی۔ خوشحالی اور فارغ البالی نے موقع دیا تو انھوں نے پسندیدہ عمارتیں اور کٹرے بنوائے۔ لالہ مکند لال وہاں سے دل برداشتہ ہو کر خیر آباد چلے گئے اور وہیں پر قیام کر لیا۔ لیکن مستانہ کے والد لالہ لجا لال چند بہرائچ ہی میں مقیم رہے۔ مستانہ کی پیدائش یہیں پر ہوئی۔ کم ہی مدت میں انھوں نے تعلیم سے فراغت حاصل کر لی اور پھر قدما کے دواوین کے مطالعہ میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ غزلیات اور قصائد خوب اور ان گنت کہے ہیں اور اکثر ابیات میں معنی ہائے گرانمایہ کے موتی سے پروئے ہیں۔ حافظہ کمال درجہ کا تھا، خط شکست بھی خوب لکھتے تھے اور فن سیاق میں مہارت کاملہ حاصل تھی۔ مہاراجہ ٹکیت رائے جو آصف الدولہ کے دیوان تھے کے یہاں ملازم تھے۔ آخر عمر میں دق کے عارضہ میں گرفتار

۱۔ تذکرہ سفینۂ ہندی مولف بھگوان داس ہندی ص ۱۶۸

۲۔ ,, ,, ,, ,, ,, ص ۱۹۸

ہوئے اور آخر کار مرضِ سرسام میں انتقال ہوا۔

مستانہ بہت ہی قابل اور روادار شخص تھے۔ جب تک زندہ رہے لوگوں کے ساتھ بھلائیاں کرتے رہے۔ کبھی کبھی اشعار گوئی بھی کرتے رہتے تھے۔ نمونہ کلام کے طور پر ایک شعر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

وا مکن از شانہ اے شانہ بچنیں لقد را رحم کن بگذار مسکینِ بچینِ زلف را

مستانہ کی وفات پر صاحب "تذکرہ روز روشن" نے دو اشعار میں تاریخ وفات کہی ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے [۱]

بشب بست و پنجم شعبان از جہاں رفت ہائے مستو لال
گفت سالش خرد ز روئے الم بجناں رفت وائے مستی لال

۷۷۔ مسرت

لالہ عوض رائے مسرت اکائستھ خاندان کے چشم چراغ تھے۔ وطن آپ کا شاہ جہاں پور ہے۔ جب سن تمیز کو پہنچے تو بقصد تحصیل علوم دہلی گئے۔ وہیں عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے، مختلف علوم میں اعلیٰ درجہ کی استعداد پیدا کی۔ مرزا محمد حسن قتیل کی صحبت میں رہکر شعر سخن و علمی مشاغل میں زندگی بسر کرتے رہے آخیر میں اپنے وطن کی طرف چلے گئے اور اپنے علم سے اپنے شاگردوں کو فیضیاب کرتے رہے [۲]

اے ز انوارِ تو روشن جبہ عنوانِ ما آفتاب آمد برون از مطلعِ دیوانِ ما

۷۸۔ مشرب

بہوری سنگھ نام مشرب تخلص تھا نسلاً راجپوت تھے آپ کا وطن اکبرآباد ہے نہایت ذہین اور شعر و شاعری کے لیے فطرتی طور

---

[۱]: تذکرہ سفینۂ ہندی صفحہ ۲۰۳

[۲] " روز روشن صفحہ ۶۲۵

پر طبع موزوں رکھتے تھے۔ شعر و شاعری میں محمد مقیم آزاد آپکے استاد تھے۔ عرصہ تک وطن سے باہر قیام کیا کچھ عرصہ تک بنگال میں بھی قیام کیا اور بعد میں صوبہ اودھ میں آکر نواب شجاع الدولہ کی ملازمت اختیار کی پھر یہیں قیام پذیر ہو گئے ۱۲۸ھ میں انتقال ہوا۔ درج ذیل اشعار آپ کی قادر الکلامی کا نمونۂ جاویدہیں۔

من بہ سیاہ کارے خود تا نظر کنم
ہیچ خامہ سر خرد برم دگر بسر کنم

مشرب رسید موسم پیری خوش آنکہ من
مشغل نظارہ ترک چون شمع سحر کنم

سینہ نجستم کہ دل خونناب اندر چشم تر دارم
سیج میکی سر مہ جا در دیدۂ اہل نظر دارم

۷۹۔ مطیع

لالہ رام بخش مطیع قنوج کے کائستھوں میں تھے۔ انکے آباؤ اجداد نے اپنا آبائی وطن ترک کرکے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ انکے والد کا نام بشن گوپال تھا جو اپنے والد کی وفات کے بعد انکی جگہ دیوان مقرر ہوئے تھے۔ جب مرزا قدرت علی خاں رحلت کر گئے تو مطیع کو ندیلہ خیرآباد کی پیشکاری پر فائز کیا گیا۔ لالہ رام بخش مطیع لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے ابتدائی تعلیم و تربیت والد کے زیر سایہ ہوئی ضروری تعلیم سے فراغت کے بعد قدیا رکے دیا دین کی زرق گردانی کرنے لگے۔ فطرت نے انہیں شاعرانہ طبیعت دی تھی لہٰذا شعر کہنا لابدی اور فطری تھا۔ شعر کہنے لگے۔ رنگین اشعار بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ شروع میں رو ز بھی تخلص اختیار کیا پھر نیاز کہلوایا بعد میں مطیع کے نام سے مشہور ہوئے جناب نظر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور یہ قطعہ لکھا۔

لہ: تذکرہ نتائج الافکار۔

اے کہ از آفتاب عالمتاب — رائے والائے تست روشن تر
گر بہ بخشی تخلصے نہ کرم — نامور می شوم منِ احقر

آنجناب نے یہ رباعی جواب میں لکھی۔

آوردی ز دولتِ صدق و صفا را چو تشفیع — من بعد گذشتیم ز طعن و تشنیع
اکنون با طاعت ز نیاز آمدی — زیبد بتو گر خطاب بخشم مطیع

لہٰذا اس بار مطیع تخلص اختیار کر لیا۔ آخر میں اسے بھی ترک کر کے "حیدری" تخلص اختیار کرنے کا ارادہ تھا کہ ناگاہ استسقا کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور انتقال کیا۔ ان کے چچا بزرگوار نے لالہ رام بخش کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل شعر سے نکالی ہے۔

تاریخ وفات

دل می پرستد آں بتِ عالیجناب را — کاخے ہمیشہ سجدہ کند آفتاب را[1]

مطیع کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

از بسکہ گریہ شام و سحر کارِ عاشق است — نیساں خجل ز چشم گہر بار عاشق است
سنگین دلے فریب نبود از وفا و لیت — یا رب شود دلِ سنگ و لے آشنا و لیت
زاں آتشے کہ عاشق پر اضطراب سوخت — بر خاست شعلہ اے کہ بچرخ آفتاب سوخت
دردِ تو خود دوائے دلِ جانِ عاشقست — نخرد دوا بدردِ تو نقصانِ عالمست
نیست ممکن کہ بود گلبدنے بہتر ازیں — گل نباید بنظر در چمنے بہتر ازیں ہم
ہر کہ یارا و ترا دید بہم گفت کہ نیست — چشمے خوشتر از آن نیز ہنے بہتر ازیں ہم

۸۰۔ مدہوش

منشی سندر لال جی مدہوش، خلف جناب برج لال سکسینہ (کائستھ)، باشندہ لکھنؤ، شاگرد جناب منشی منیڈو لال زار۔ فارسی کے عالم جید

---

[1] تذکرۂ سفینۂ ہندی ص ۲۰۷۔

اور دیوانِ "بہارستان" کے مصنف ہیں۔ آپ اگرچہ بسیار گو اور نامی استاد تھے مگر افسوس کہ کلام نایاب ہے [۱]

۸۱۔ موجد

منشی کالکا پرساد موجد ولد منشی بھگوان دین نگم (کائستھ)، باشندہ شہر لکھنؤ، شاگرد جناب مرزا ناطق۔ آپ سلطنت اودھ میں ایک معزز اہل کار تھے۔ غدر کے بعد مطبع "نول کشور" لکھنؤ میں آپ کارپرداز مقرر ہوئے۔ فارسی اور عربی زبانوں پر کامل عبور رکھتے تھے۔ خوشنویس اور یکتائے روزگار تھے۔ جناب غلام حسین صاحب قدر بلگرامی آپ کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں [۲]۔

"بڑے ناظم و نثار تھے۔ فصاحت و بلاغت آپ کے حصہ میں تھی۔ فارسی میں ہر طرح کی عبارت مقفع و مسجع و معلق نہایت تنقیح قلم پر داشتہ ہو کر تحریر کرنا آپ ہی ہما کا کام تھا۔"

جولائی ۱۸۶۶ء میں بمقام دہلی خناق کے عارضہ میں انتقال کیا۔

نمونہ کلام

رسائی نیست تا سر منزلِ او کفر و ایمان را
کہ در دیر و کعبہ سنگ رہ بود گبر و مسلماں را

آنکہ شد از رفتہ نہائی طبع رو دستش
پر گہر جو دامنِ شب تخور ہند وستان

نام نیکش می رود پیش شہر و دیار
جز نگین در راہ تن خواں یافتن ننگ نشان

بیش بیجد و دش این تر آمدوان دگر گردید دو جنگ
کان بچہ در یا گشتہ دور باشدہ مانند کان

۸۲۔ مختار

شیتل داس نام تھا۔ آپ دہلی کے ایک کائستھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے چچا جنگ رائے راجہ پرطعنہ کے یہاں ملازم تھے۔

---

[۱] تذکرہ بہارِ سخن صفحہ ۳۳۱ جلد ۲ ۔ محمود سخن ۔ غلام حسین قدر بلگرامی مطبوعہ ۱۸۸۶ء

انھوں نے انھیں بغرض تعلیم و تربیت اپنے یہاں بلا لیا۔ مروجہ علوم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کی طرف مائل ہوئے اور "تاراج" تخلص اختیار کیا اسکے کچھ دنوں بعد "مختار" لکھنے لگے نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

بادشاہِ نجف و خاک پائے حسینؓ	بالخدا دل و جانِ ما فدائے حسینؓ
از جور فلک سخت بجاں آمدہ ایم	یارا بنواز از برائے حسینؓ
چشم یا ہوش پر خون دل می تپد در خاک و خون	میا زیر حرم آنچناں صیدِ دل افگار ایں چنین

۸۳۔ مہر

راجہ درگا پرشاد مہر، سندیلہ ضلع ہردوئی کے ایک بڑے زمیندار تھے۔ انکے والد کا نام دھنپت رائے تھا۔ بڑے رئیس طبع، مروت دار اور بلند حوصلہ تھے۔ آپ کا سن پیدائش ۱۸۴۱ء ہے۔ مہر کو خط نستعلیق میں کمال حاصل تھا۔ آپ کے والد نے آپکو نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلوائی۔ وہ اخلاقی تعلیم پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ راجہ درگا پرشاد مہر فارسی کے اچھے شاعر اور نثر نگار بھی تھے۔ انکی چند کتابوں پر ایرانی اخبارات نے اپنے ریویو شائع کئے۔ ۱۹۰۲ء میں انکا انتقال ہوا۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

از تیغ بلبش آمد حق پدر	می دہد زیں داد حکم بے خبر
با ادب باشی اگر خدمت کنی	در جہاں حاصل دو دولت کنی[1]
گوش کن وایں پند مہر ہیں	گفتہ او را صدق دل گزیں
دوران نہاد تاج ظفر بر سر تو مہر	بدخواہ ہر سرشت بقعرِ عدم خدا ترا[2]

۸۴۔ مضطر

منشی کنور سین مضطر لکھنؤ کے کائستھوں میں تھے۔

---

[1]: پند دلپذیر۔ مولفہ راجہ درگا پرشاد مہر [2] سفر نامہ کلکتہ از راجہ درگا پرشاد مہر (قلمی) نادرہ رضا لائبریری رامپور۔

ابتدائے عمر سے ہی انگریزی سرکار کی ملازمت اختیار کی اور تحصیلدار ہو گئے
آپ ایک ذہین، بلند خیال، لائق اور شفیق انسان تھے۔ فنِ شاعری میں آپ
جناب غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔

آرزوئے جانِ مضطر در دلِ غمناک ماند   دانۂ من بر نیاید بر زمین در خاک ماند

۸۵۔ معنی

آپ کا نام راجہ بھیجے مل اور تخلص معنی تھا۔ راجہ دیا مل
آپ کے بڑے بھائی تھے۔ معنی اپنے بھائی کی زندگی تک خانگی انتظام دیکھتے
رہے اسکے بعد شجاع الدولہ کے لشکر میں شامل ہوئے۔ انشا اور نثر میں اعلیٰ
درجہ کی استعداد رکھتے تھے۔

ہم چو فانوسی کہ روشن بہرِ تو شمع کند   برقع از نورِ رخش عرضِ تجلی زادہ است[۱]

۸۶۔ وفا

جناب نول رائے وفا ایک کایستھ خاندان کے چشم و
چراغ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا وطن اٹاوہ ضلع کے چکوا پرس پرگنہ میں
تھا۔ ابتداء میں آپ نواب صفدر جنگ کے یہاں ایک معمولی منشی کی حیثیت سے بھرتی
ہوئے تھے لیکن اپنی چستی چالاکی اور قابلیت کی وجہ سے دیوان جیسے اہم عہدہ پر
پہنچ گئے۔ نواب بہت ہی قابل، دور اندیش، مردم شناس حکمراں تھے اور وفا پر بہت ہی بھروسہ
کرتے تھے۔

مہاراجہ نول رائے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے انہیں ہندو شاستروں پر بڑا عبور
تھا۔ نیز مذہبی طور پر بڑے کٹر اور مذہبی روایات کے بڑے پابند تھے۔ بغیر
پوجا کئے گھر سے باہر ہرگز نہیں نکلتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ لائق اور منصف مزاج
بھی تھے۔ انتظامی معاملوں میں نواب کے صاحبزادے یا کسی دوسرے رشتہ دار تک
کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسی عادت کی وجہ سے آگے چل کر شجاع الدولہ
کے معتوب ہوئے۔ حقیقت میں نواب صفدر جنگ انکی بہت عزت کرتے تھے۔

[۱] تذکرہ مقالات الشعراء مصنفہ قیام الدین حیرت اکبر آبادی۔

۱۳ اگست ۱۷۵۰ء کو جب وہ میدان جنگ میں مارے گئے تو اس خبر کو سن کر صفدر جنگ کو ایسی ٹھیس لگی جیسے انکا کوئی رشتہ دار مارا گیا ہو۔ نول رائے کو مکانات بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ لکھنؤ سے تیرہ میل دور انھوں نے "نواب گنج" ایک قصبہ بسایا تھا اور اسمیں خوبصورت عمارتیں بنوائیں نیز عمدہ باغات لگوائے جب شجاع الدولہ نواب ہوئے تو انہوں نے اس شہر کو منہدم کرا دیا لیکن جب آصف الدولہ وزیر ہوئے تو انہوں نے نول رائے کی وفاداری کا خیال کر کے وزیر گنج کو گروا کر دوبارہ نول گنج کی تعمیر کروائی۔ یہ وہ وقت تھا جب مرتضیٰ حسین "حقیقت الاقلیم" لکھ رہے تھے۔ وہ ایک اچھے مدبر اور سپہ سالار تھے اور فارسی کے ایک اچھے شاعر بھی تھے اگرچہ انکا کلام ابھی پردۂ خفا میں ہے۔

۸۷۔ وفا

راجہ شیو کمار وفا، قوم کائستھ کھرے سریواستوا، ساکن کٹرہ ضلع الٰہ آباد، نواب آصف الدولہ کے عہد مبارک میں وقائع نگار تھے۔ فارسی کا دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے ہجر کے شاگرد تھے ۱۸۰۵ء میں انتقال کیا۔ افسوس ہے کہ آپکے اشعار ناپید ہیں۔[۱]

۸۸۔ والی

سنجاب رائے نام اور والی تخلص ہے آپ کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا۔ دہلی ہی آپکی جائے پیدائش بھی ہے لیکن نشو و نما اور تعلیم و تربیت آپ کی لکھنؤ میں ہوئی۔ رسمی علوم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئے نواب آصف الدولہ کے عہد میں راجہ ٹکیت رائے کے توسل سے "رائے" کا خطاب پایا عزت و وقار سے زندگی بسر کرتے رہے۔ مرزا محمد فاخر مکین سے اصلاح لیتے تھے۔ والی کا فارسی دیوان میری نگاہ سے گذرا ہے۔ آپ خاقانی علیہ الرحمۃ کے طرز پر غزل کہتے۔ ۓ۔ حسین و شکیل

---

[۱] : تذکرہ بہار گلشن کشمیر حصہ دوم ص۱۴۲۔

جوان تھے[۱]۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

از بس بشنوم بہ شب افسانۂ چشم تو — دانند مرا مردم دیوانۂ چشم تو
بیخود و شوا ز مستی بیند چو کسے بوش تیش — یا رب چہ اثر دارد پیمانۂ چشم تو

۸۹۔ واجب

منشی دینا ناتھ واجب عرف حسین بخش، ولد دیوان مکھن لال طالب، داروغہ جواہر خانہ بعہد سلطانی، قوم کایستھ سکسینہ، متوطن لکھنؤ۔ آپ فارسی کے عالم اور فن سخنوری کے استاد تھے[۱] ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا[۲] آپ کے اشعار نایاب ہیں۔

۹۰ وقار

راجہ جوالا پرشاد وقار عہد واجدی کے ایک ذی علم، منصب دار تھے فارسی کے زبردست انشاپرداز اور قادر الکلام شاعر تھے انہوں نے نواب واجد علی شاہ کی شان میں سات قصیدے لکھے ہیں۔ یہ قصائد آپ کے دیوان میں "قصائد سبعہ در مدح حضرت سلطان عالم خلد اللہ ملکہ، وسلطنت" کے نام سے درج ہیں۔ محمد ہادی علی ہادی کے دیوان کی منظوم تقریظ میں ان قصائد کا ذکر یوں کیا ہے۔

در قصائد نظم خوب مدح سلطان زمن — شاہ بیتے گشت بر ہر بیت دلکش بے سخن
طرح آں را طبع رنگینش بنا ہفت کرد — راست گر پرسی عروس نظم را ہفت کرد[۳]

جب نواب واجد علی شاہ معزول ہوکر مٹیا برج جا رہے تھے تو باوجود سن پیری کے یہ بھی انکے ہمراہ تھے لیکن واجد علی شاہ نے کمال عفو و رحم سے انکو واپس کر دیا

---

[۱]: تذکرہ سفینۂ ہندی ص۲۳۹۔ [۲]: تذکرہ بہار سخن ص۳۸۳۔
[۳]: دیوان وقار سے ماخوذ۔ دیوان وقار کے دیباچہ میں یہ اشعار موجود ہیں۔

وقار کے کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔

هزار شکر که ایزد به حسن انجامش — قرین همی کند از هرچه میکنم آغاز
بر تیغ خیال چوں دلشب بخواب ندیدیم — که در زمانه شدم از همه درو بیش ممتاز
زندگی شد ناگوار از خویش بیزار ترا — کاش بر بالین بیاید مرگ بیمار ترا
عکس خود داند خط، سبز زنگار ترا — طوطیان آئینه زیں رو خوانده خریدار ترا
لذت قند و نبات از خاطر او محو شد — دید تا طوطی لب لعل شکر بار ترا
بسکه قدر حسن تو باشد بلند اے ماہ رو — از گل خورشید باید طرهٔ دستار ترا
انتظام دین خود از کفر میداند ازاں — رشته تسبیح سازد شیخ زنار ترا
ببندت تا از نگاه حیرتی بخشا نقاب — بسرم راهیست از روز ازل سودائے فتراکے
بوقت گریهٔ خونین ز چشم باده مریزد — مگر باشد دلم انگور و مژگانم بود تاکے
دلا گر عاقلی امروز راه خاکساری گیر — که فردا از غفلت ناچار میباید ته خاکے
وقار از آتش دوزخ چه در دل اندیشیم — پے اطفاء او کافی است مارا چشم نمناکے

باب چہارم

اودھ کے ہندو فارسی نثر نگار

۱. اشکی

منشی ہردھیان سنگھ ابن دیوان شیو پال

راجہ کندن لال اشکی کا آبائی وطن آنجہین تھا۔ انکے والد کا نام منولال فلسفی تھا۔ آپ ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے آپ نہایت ہی ذہین و ذکی تھے۔ آپکے والد نے انکی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کیا اور آپکی تدریس و تربیت کے لیے مختلف علوم و فنون کے ماہر اور مسلم الثبوت استاد مقرر کیے۔ اشکی نے تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد فلسفہ اور ریاضی اس فن کے مشہور عالم شاستری

شمری ادھیالک اندر سے حاصل کئے۔ عربی اور فارسی تو کئی نیز سنسکرت
تو استادوں سے پڑھی لیکن انگریزی یونانی عبرانی زبانیں خود سیکھ لیں۔ جن
علوم وفنون میں انکو دخل تھا انکی تعداد شمار سے زیادہ ہے اسکے علاوہ
انکو سیاحت کا بھی شوق تھا۔

اس تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ انکی نہایت ہی نیک نفس شگفتہ مزاج
اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ انکے عزیز دوست، ماتحت سب ہی انسے خوش تھے
وہ سب کے شرعی اور مذہبی جذبات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ خدا نے انکو حسن
صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی عطا فرمایا تھا اگرچہ انکی راسخ العقیدہ ہندو
تھے مگر مذہبی تعصب ان میں نام کو بھی نہیں تھا۔ دوسرے مذہب کے بزرگوں
کو بھی وہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انکی انیس برس تک تحصیل علوم
میں مشغول رہے بیسویں سال شاہجہاں پور کے کلکٹر مسٹر رابرٹ لو درنے کچہری
میں انکو پیشکار متعین کر دیا۔ کچھ دنوں بعد انکا لڑکا جسکی عمر صرف چار سال تھی
مر گیا۔ انکی جیسے نرم دل والے کے لیے یہ سانحہ بہت سخت تھا۔ ان پر اتنا اثر ہوا
کہ ملازمت ترک کر کے تین برس بیکار رہے۔ کلکٹر مذکور نے دوبارہ انکو بریلی
کی کلکٹری میں بحال کر دیا اور ایک ہی مہینے کے بعد نائب سر رشتہ دار بنا دیا یعنی
ترقی کی راہ پر لگا دیا۔ سلطنت اودھ کے وزیر منتظم الدولہ ناظم الملک
محمد مہدی علی خاں سپہدار جنگ انکو دو مہینے کے لیے لکھنؤ لے آئے اور بادشاہ
کی خدمت میں پہنچا دیا۔ بادشاہ نے ان کو وقائع خوانی پر مامور کر دیا اور
پانچ سال کے بعد انکو "میر منشی" کا عہدہ اور راجہ کا خطاب عطا کیا۔

۱۲۵۹ھ میں اپنی بیوی کے انتقال کے بعد انکی ہمیشہ کے لیے ملازمت
سے علیحدہ ہو گئے۔ انکی کو کسب معاش کی فکروں سے کبھی نجات نہیں ملی
مگر تحصیل علم کے لیے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ تصنیف کا سلسلہ بھی رکاوٹوں
کے ساتھ برابر جاری رہا۔ مختلف علوم وفنون میں بہت سی کتابیں تصنیف

کیں۔ البیرونی نے پندرہ سال کی عمر میں ایک کتاب "مصباح النجوم" لکھی تھی یہ البیرونی کی پہلی تصنیف ہے۔ اسکے بعد ۲۱ سال کی عمر میں دوسری کتاب "اکسیر سعادت" لکھی جسمیں تصوف کو فلسفہ کے مطابق و موافق بتایا گیا ہے البیرونی نے اس کتاب کے دیباچے میں اپنی تصانیف کی فہرست دی ہے ظاہر ہے کہ جن کتابوں کا نام اس کتاب کے دیباچے میں درج ہے وہ پندرہ سے اکیس برس کی عمر کے دوران لکھی گئی تھیں۔ ان کتب کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مصباح النجوم (زائچے میں) (ASTRONOMICAL TABLE)
(۲) مفتاح الحساب (علم الحساب)
(۳) استقصات (علم الہندسہ)
(۴) قسطاس (علم قطارع)۔
(۵) روحتہ الصغانی بجمیع الآرا۔ (علم طبعیات میں)
(۶) جہاں نما (علم ہیئت)
(۷) آثار باقیہ (علم یونانی)

مندرجہ بالا کتب میں سے آخری کتاب:۔ آثار باقیہ دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ پہلی جلد میں: تاریخ علماء آداب تحصیل منطق، مناظرہ، طبعیات ریاضیات تہذیب، اخلاق، تدبیر منزل، سیاسیات تمدن، حکمت پارسیان، حکمت اشراقیان وغیرہ مضامین شامل ہیں۔

دوسری جلد میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں۔ احکام نجوم، فراست قیافہ، تعبیر، جر ثقیل تقویم، موسیقی، مبداء و معاد، ناموس، قرن لوحی جفر رمل، زائچہ طب وغیرہ۔

(۸) آداب باقیہ (علوم عرب) اس کتاب میں: تاریخ حکمائے اسلام، صرف و نحو، معنی و بیان، بدیع۔ عروض، قافیہ، انشائیہ، رسم خط، اصول تفسیر

حدیث، اصول فقہ، فرائض، تصوف، کلام، تطبیق۔ وغیرہ مضامین شامل کئے گئے ہیں۔

(۹) اسرار ما فیہ (علوم ہند) اس کتاب میں یہ مضامین ہیں بنائے ممانسہ پاتانجل۔ سانکھ۔ ویدانت۔ شوشالستہ۔ نایکا بھید۔ باستو پرکرن۔

(۱۰) نوادر افرنجیہ (علوم انگریزی) اس کتاب میں: تحویل فلاسفی اسطرانومی ارتھمیٹک۔ جیوگرافی۔ استعمال آلات۔ اکسیر سعادت۔ تطبیق و فلسفہ۔

(۱۲) منتخب تنقیح الاخبار اس کتاب کے اصل مصنف تو منشی کے والد تھے کتاب کافی ضخیم ہے اور اسکا خلاصہ خود انشکی نے لکھا ہے۔

(۱۳) منتخب استخراج النجوم۔ (علم استخراج)

(۱۴) مصباح الحساب (علم حساب)

(۱۵) نزہت الناظرین (علوم مختلفہ ؁) دائرہ المعارف۔

(۱۶) میزبن (علوم ہندسہ) (۱۷) سبعہ سیارہ۔ (۱۸) حکمائے ہندی (۱۹) قرن لوجی

(۲۰) حکمت پارسی قدیم۔ (۲۱) نغمہ عنادل: یہ تصوف میں ہے۔ اور فارسی عربی، ہندی سنسکرت چار زبانوں میں ہے فارسی اور عربی نثر میں ہے اور ہندی نظم میں ہے فارسی رسالہ کا نام "نغمہ عنادل" ہے عربی رسالے کا نام "نوائب" ہے۔ ہندی اور سنسکرت کے رسالوں کا نام تلاش بسیار کے بعد بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اس قلمی کتاب کا ہر صفحہ چار کالموں میں منقسم ہے پہلے کالم میں فارسی، دوسرے کالم میں عربی، تیسرے میں ہندی اور چوتھے میں سنسکرت کی عبارت لکھی ہوئی ہے۔

(۲۲) آچار یہ کلپ لتا
(۲۳) گل دیپکا
(۲۴) پرانوں کا انتخاب

یہ تینوں کتابیں سنسکرت میں ہیں جنمیں پہلی دو کتابوں میں ہندوں کی عبادات اور مذہبی رسوم کا بیان ہے۔

؁ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔

(۲۵) لغات۔ یونانی سریانی اور عربی میں ہے۔

(۲۶) ایک کتاب حیوانات بری کے حالات پر ہے۔

(۲۷) ایک کتاب پرندوں کے بیان میں۔

(۲۸) ایک رسالہ در فن صنعت سازی۔

(۲۹) ایک رسالہ در صفت تصویر کشی۔

مندرجہ بالا تمام کتابیں انہوں نے سینتالیس برس کی عمر تک لکھیں
باوجود انتہائی کوشش کے انکا سن وفات نہیں معلوم ہو سکا۔
راجہ بخندن لال آشکی کا شاعر ہونا تو انکے تخلص سے ظاہر ہوتا ہے لیکن
انکا کوئی شعر دستیاب نہیں ہو سکا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکی طبیعت
کا فطری لگاؤ شاعری سے نہیں تھا۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے علمی مشاغل
نے انکو اسقدر فرصت نہ دی ہو کہ وہ اس شوق کو پورا کرتے اور شاعری
میں ناموری حاصل کرتے اسلئے انکی شاعری اور شاعر ہونے کے متعلق،
کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے۔ ہاں آشکی نے اپنی نثر نگاری
ادبیت، فلسفیت کے ثبوت میں تصانیف کا عظیم ذخیرہ بطور یادگار چھوڑا
ہے۔

"تصورات عمیم گاہے مبادئے حدوث حوادث می باشند چنانچہ نفس
صاحب عین الکمال سالی بستم کہ بندہ جانی را اتفاق ذہاب بملک
داماں کوہ شمالی افتاد۔ وزنان ساحرہ را دیدم کہ ہر کرا کہ نخواہند
بیک نگاہ بکشتند، ہمچنین غم و غصہ کہ موجب شیخوخت و تصور صحت
و مرض ہنگام بحرانات موجب آں میشود و ہمچنین نفس قدیہ را اسباب
قوت ذاتی و از جہت مزاج اصلی اختصاصی بقوتیکہ تاثیر بغیر متعدی
تواند بود۔ حاصل آمد و ازاں انفعالات مثل القائے علوم و تنفاگ
مرض و ادراک زلال موضوعات و امثال آں در عالم عناصر پدید

می آید۔ اما ظہور این بقدر تفاوت درجات مناسب نفس جزوی با نفس کلی باشد و ندرارے کلی بجرمیات و فلاسفہ یونان اگرچہ متفق اند برآنکہ بسیط قابل و فاعل معاً نمی باشد مگر تحقیق، خلاف آنست چہ موثریت و متاثریت صفیق وجودی بند کہ منتقر بعلت باشد[1]۔

۲۔ امرت لال راجہ

نواب کی ملازمت سے منسلک تھے۔ نواب ان سے مطمئن تھے۔ وہ سب طرح کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔

منشیات راجہ امرت لال' انشا کی ایک مطبوعہ کتاب ہے جو ۱۳۰۷ھ میں مطبع قومی پریس سے باہتمام محمد نثار حسین خاں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ۲۶ عنوانات کے تحت مضامین موجود ہیں۔ جو نہایت دلچسپ سماجی سیاسی ثقافتی معلومات کے خزانے ہیں۔

نمونۂ عبارت از منشیات امرت لال

بجناب منشی منگلا نند صاحب

لالہ صاحب کرم فرما سلامت

از عدم خدمت گذاری پاس شرم سارم، منجا ہم کہ تا ظہور مطلب ملازمان افسردہ خاطر تشویدلہٰذا آنچہ بیانش منظور است حوالہ بزبانِ دہی پرساد صاحب است۔ در صورت راہی باید بہ آورد کہ انتظام امور خانہ نیند و تشخیصکہ بدار وغیِ مہمات خانگی نام زدِ بستِ جاہل و ناتجربہ کار دحیند انکہ ذکی ہم نیست۔

---

[1] سید مسعود حسن رضوی کا مضمون۔ لکھنؤ یونیورسٹی جنرل فروری ۱۹۲۴ء

پاس خاطرش آنقدر کہ، ہیچ گونہ نقصانے دفتر دے راہ ندہد ملحوظ باشد۔

تا کجا داستان طرازیہا بردہ عاجتم کن بلیغ کلام
تا بود ربط لفظ با معنی نثر را تا بود گلستان و نام

یارب این نثر راجہ صاحب باد
ہمچو یوسف عزیز خاص و عام

۳۔ انیس موہن لال

منشی موہن لال انیس کائستھ قوم کے تھے انکے والد کا نام کنور سین تھا۔ پرگنہ گوپامؤ خیر آباد میں قانون گو تھے خود بھی نوکری پیشہ تھے۔ ناصر سخنین کے شاگرد تھے۔ فقیر سے انکی ملاقات تھی وہ ان سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے [1]

"انیس الاحبا" : یہ کتاب منشی موہن لال انیس نے نواب اودھ آصف الدولہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ نواب موصوف نے حزیں کا تذکرہ دیکھا تھا۔ اسی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ہندوستانی شاعروں کا بھی ایک تذکرہ لکھا جائے لہذا یہ کام انھوں نے انیس کے سپرد کیا۔ یہ تذکرہ ۱۱۹۷ھ میں لکھا گیا تھا یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں مسلم شعرا کا تذکرہ ہے اور حصہ دوم میں ہندو شعرا پر روشنی ڈالی گئی ہے اسمیں تقریباً ۲۵ شاعروں کا تذکرہ ہے۔ کتاب کی ابتدا اس جملے سے ہوتی ہے۔

"ستائشِ بے حد و ثنائشِ لاتعد سخن آفرینی را ......"

اسمیں مندرجہ ذیل ہندو شاعروں کا ذکر ہے۔

(۱) سرب سکھ دیوانہ (۲) پنجاب رائے واقی (۳) شیتل داس فحتا

---

[1] : تذکرہ عقد ثریا۔

(۴) رام بخش مطیع (۵) بھگوان داس ہندی بسمل (۶) موہن لال انیس

۴۔ اودھی لال

یہ سنت سکھ رائے کے فرزند تھے سنت سکھ نواب صفدر جنگ کے منشی اعلیٰ تھے "منشور المکتوبات" نامی قلمی نسخہ ان خطوط کا مجموعہ ہے [۱] جو سعادت خاں اور صفدر جنگ بادشاہ محمد شاہ نظام الملک قمر الدین خاں وزراں اور اس دور کے دیگر جاگیر دار اور مشہور لوگوں کو بھیجے گئے تھے۔ اسمیں وہ پروانہ جات بھی شامل ہیں جو نواب اودھ نے اپنے ماتحت حاکموں اور اہلکاروں کو بھیجے تھے۔ انکی تعداد کئی سو ہے۔ ان مکتوبات کو ۱۲۱۰ھ میں منشی اودھی لال نے مرتب کیا اور بہت سے مخطوطات خود انکے والد منشی سنت سکھ نے ترتیب دیے مکتوبات ملکے اس مجموعہ میں بہت ہی اہم تاریخی مواد موجود ہے۔

آشیر وادی لال کے مندرجہ ذیل جملے سے اس کتاب کی اہمیت ظاہر ہے۔

"میری کتاب کے بہت سے اہم باب زیادہ تر انہیں مواد کی بنیاد پر لکھے گئے ہیں۔ مثلاً راجہ نول رائے کے خلاف صفدر جنگ کی تحریک اور کٹہر راجہ کی ہار، ان دونوں واقعات سے عالم بے خبر تھا [۲]

۵۔ آثم کنج بہاری لال

منشی کنج بہاری لال آثم کے والد کا نام منشی روشن لال تھا۔ جو آشا رام کے فرزند دلبند تھے۔ اور خیر آباد کے علاقے کے باشندے تھے۔ آپ کی تصنیف "تحفۃ العجائب" فارسی نثر میں ایک مختصر مگر معرکتہ الآرا شاہکار ہے جو ۱۶۱ صفحوں پر مشتمل ہے یہ ۱۸۰۵ء میں لکھا گیا تھا اس زمانے میں اخلاقیات

---

[۱] ۱۔ اسیر منگر حصہ اول صفحہ ۱۶۲ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو خط نستعلیق میں ہے خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ [۲] ۱۔ منشور المکتوبات جلد اول امیر الدولہ لائبریری لکھنؤ

کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ زبان و بیان نہایت شستہ اور
فصیح ہے۔

۶۔ بہادر سنگھ بھٹناگر

بہادر سنگھ بھٹناگر کے والد کا نام ہزاری
مل بن لچھمی سنگھ بھٹناگر تھا۔ یہ شاہ جہان
آباد کے باشندہ تھے ۱۲۳۲ھ میں وہاں سے آکر لکھنؤ میں بس گئے تھے
یہاں آکر انہوں نے فارسی عربی، ہندی، زبان کا مطالعہ کیا۔ یادگار بہادری
نامی مشہور کتاب لکھی جو آسانی سے دستیاب نہیں ہے۔ مصنف کے بقول یہ
کتاب رمضان ۱۲۴۹ھ میں ختم ہوئی [۱] اس کتاب کی ابتدا "بعد از سپاس
ایزدی کہ آفرینندۂ عالم و عالمیان است" سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب چار
سانحات پر مشتمل ہے۔

سانحہ اول میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم تک کی تاریخ دی گئی ہے۔ سانحہ دوم میں سات داستانیں ہیں (الف)
میں ابتدائی خلفا (ب) میں بارہ امام (ج) بنی امیہ (د) بنی عباس (س)
مصر کے کوہستان کے اسماعیلیہ (ص) شاہی سید (ط) مکہ اور مدینہ کے شرفا۔
سانحہ سوم بھی سات داستانوں پر مشتمل ہے۔ (۱) یونان کے فلاسفر (۲)
اسلام کا ابتدائی عہد۔ (۳) یورپ و یونان کے معاصرین حکمار (۴) حضرت محمد
مصطفٰے کے اصحاب کرام (۵) ان کے حلیف و عقیدت مندان شیوخ، شیعہ
سنی، ایرانی صوفیا وغیرہ۔ سانحہ ششم بیس اجزا پر مشتمل ہے۔
(۱) عرب شعرا۔ ۲۔ فارسی شعرا۔ ۳۔ تمام طرح کے خطوط اور رقعات

۱؎:۔ آشیر وادی لال سریواستو "اودھ کے پرتھم دو نواب" ہندی صفحہ ۲۸۸۔
۲؎:۔ تحفۃ العجائب کا ایک قلمی نسخہ ندوۃ العلما کے کتب خانے میں موجود ہے
۳؎:۔ آشیر وادی لال سریواستو۔ اودھ کے پرتھم دو نواب صفحہ ۱۲۱۔

۴۔ عروض و بلاغت۔ ۵۔ فراست۔ ۶۔ خواب کی تعبیر۔ ۷۔ ریختہ شاعر
۸۔ لوگ آسن ویرانا یام۔ ۹۔ علم نجوم ۱۰۔ بینہ و موسیقی ۱۱۔ زراعت
۱۲۔ تعمیر ۱۳۔ فن آہنگری ۱۴۔ فن تجارت ۱۵۔ رنگ سازی ۱۶۔ طلسمات
۱۷۔ سحریات ۱۸۔ صنعت ۱۹۔ تجارت ۲۰۔ سخن ہائی عقلمندان۔
مائخہ ہفتم میں شاہان اسلام کے سیرت و کردار اور سوانح زندگی پر
روشنی ڈالی گئی ہے۔

۷۔ ثاقب جے گوپال

یہ سندیلہ ضلع ہردوئی کے ایک بہت بڑے رئیس تھے انکے والد کا نام
منشی بینی پرشاد تھا۔ انکے بزرگوں کا وطن گھاٹم پور تحصیل ضلع کانپور تھا
یہ کھرے سرلواستو کائستھ تھے۔ موصوف سلطان عالم واجد علی شاہ کے
مصاحب خاص تھے۔ فارسی کے جید عالم تھے۔ نظم و نثر دونوں میں مہارت
تامہ حاصل تھی۔ انکے بزرگ بھی شاہانِ اودھ کی سرکار میں عہدہ جلیلہ
پر فائز تھے۔

شیو پرشاد مہاراجہ جے گوپال ثاقب مختلف صنعتوں میں رچے
قطعات فارسی میں کہہ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے جسکے صلہ
میں وظیفہ میں اضافہ نیز دیگر اہم نوازشات سے سرفراز ہوتے
تھے۔ انہوں نے بادشاہ کے حکم سے ان قطعوں کو یکجا کرکے ایک کتاب
مرتب کی جس کا نام "نادرات الثاقب" رکھا یہ اس کا تاریخی نام ہے جس سے
انکا سال تالیف ۱۲۹۰ ہجری نکلتا ہے کتاب کے اختتام پر ایک نظم مندرجہ ذیل
اشعار پر مشتمل ہے

بود پس کہ الطاف پروردگار	بود لطف سلطان بمن بے شمار
بہ سال گذشتہ اعزاز و جاہ	گرامی خطابم عطا کرد شاہ
ہم اکنوں در مہر و رحمت کشود	باہانہ من ترقی نمود

دگر لطف شاہانہ میندول داشت   برون رت بر اندازہ شکر و سپاس

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۹۰ ہجری میں بادشاہ نے ثاقب
کو مہاراجہ کا خطاب عطا کیا تھا۔ اور ۱۲۹۰ ہجری میں انکے وظیفے میں کچھ
اضافہ کیا تھا۔

جب بادشاہ واجد علی شاہ مٹیا برج گئے تو مہاراجہ گوپال ثاقب
بھی تا دم آخیر انکے ساتھ رہے۔ ثاقب راجہ بیندگا پرشاد سندیلوی کے
بہت ہی قریبی رشتہ دار تھے۔ ذوق سلیم رکھتے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں ان
کا انتقال ہوا۔

انھوں نے نثر میں مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں ہیں۔

(۱) نادرات الثاقب (۲) محبوب التواریخ۔ یہ کتاب تاریخ دکن
سے متعلق ہے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اس کے صفحات سائز
کافی بڑے ہیں۔ تحریر نہایت خوشخط اور زیادہ زیب اس کا ایک نادر
نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

(۳) مجمع نعمت (۴) تاریخ اودھ (۵) تاریخ دہلی (۶) زبدۃ الخوالف
اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

۸۔ خیالی رام خیالی

منشی خیالی رام خیالی لکھنؤ کے اصلی
باشندہ اور سری واستو کائستھ تھے
تذکرہ "بہار سخن" میں انہیں مرزا قتیل کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ لیکن ایک
دوسرے گلدستہ والی تذکرہ میں انہیں مولوی احسان اللہ ممتاز کا شاگرد بتایا
گیا ہے۔ خیالی رام نہایت ہی ذہین شخص تھے۔ نثر اور نظم دونوں ہی میں
انہیں برابر کی قدرت حاصل تھی انکی سو سے زائد تصنیفات ہیں انھوں
نے اعجاز خسروی کی شرح بھی لکھی ہے۔ انکا صرف یہی کارنامہ انکی دائمی
شہرت کے لیے کافی ہے۔ وہ ترکی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔ واجد
علی شاہ کے یہاں ملازم تھے ۱۸۸۲ء میں وفات کی

خیا کی کی تصنیفات میں آئینہ خیا کی، عقد الجواہر گنجینۂ خیا کی، شرح انشائے طاہر اور شرح اعجاز خسروی بہت مشہور رہیں۔

۹۔ خوشگو بندرابن داس

یہ ذات کے بیش تھے۔ اودھ کے بیسواڑہ علاقہ کے باشندہ تھے۔ خوشگو شاعر بھی تھے۔ چودہ سال کی عمر میں سرخوش سے استفادہ کیا تھا۔ اسی سے تخلص بھی اخذ کیا۔ آخر میں سراج الدین خان آرزو کے دامن انسلاک سے منسلک ہو گئے۔ پچیس سال انکی خدمت میں بسر کئے آرزو نے کئی بار "سفینۂ خوشگو" اور اپنے تاثرات بھی اس سفینہ میں داخل کئے ہیں اسلئے انکے حالات کم دستیاب ہو سکے ہیں۔ خوشگو ملازمت پیشہ انسان تھے لیکن آخر میں دنیا داری ترک کر کے فقیر ہو گئے تھے۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی بنارس کبھی الہ آباد اور کبھی عظیم آباد میں سکونت اختیار کرتے رہتے تھے۔ امیر خاں نے انکی گذر بسر کے لیے دو روپیہ یومیہ مقرر کر دیا تھا۔ مشہور تذکرہ نگار خان آرزو نے انکی سیرت و کردار اور طرز نگارش کی بہت تعریف کی ہے۔

خوشگو کی تصانیف میں "سفینۂ خوشگو" ایک اہم اور تاریخی شاہکار ہے جو طرز تحریر اور مواد کے اعتبار سے بیحد مقبول ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ جلد اول میں متقدمین شعرا کے حالات، جلد دوم میں شعرائے متاخرین کی سوانحیات اور جلد سوم میں شعرائے حاضرین و معاصرین کے حالات لکھے ہیں۔ تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل یہ ایک جامع تصنیف ہے اس میں ۵۴۲ شعرائے فارسی (اہل ہنود) کا تذکرہ اور انکے کلام کے نمونہ پیش کیے گئے ہیں[1]

---

[1]: اس کتاب کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے۔

۱۰۔ منشی الملوک فخرالدولہ، راجہ رتن سنگھ زخمی

راجہ رتن سنگھ نام اور زخمی تخلص تھا۔ سکسینہ کائستھ اور لکھنؤ کے باشندہ تھے۔ انکے والد کا نام راجہ بالک رام تھا جو مہاراجہ جھاؤ لال کے نائب تھے جو خود بھی شاعر تھے اور جکیسوری تخلص کرتے تھے۔ رتن سنگھ زخمی ۲۳ محرم ۱۱۹۷ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ۱؎ انہوں نے فارسی عربی اور انگریزی تینوں زبانیں پڑھیں اور ان زبانوں میں علوم عقلیہ و نقلیہ بھی پڑھے۔ شعرگوئی میں مرزا محمد حسین قتیل کی شاگردی اختیار کی۔ ابتدا میں وہ نصیرالدین حیدر کے اتالیق مقرر ہوئے بعد ازاں داروغگی کا عہدہ پایا اور آخر میں میر منشی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اسکے بعد ہی "فخرالدولہ منشی الملوک" کا خطاب پایا۔ بادشاہ محمد علی نے دلوائی اور منشی گیری کے عہدہ پر بدستور قائم رکھا۔ امجد علی نے اپنی بادشاہت کے دوران میں دونوں عہدوں سے موقوف کر دیا۔ زخمی نے ملک اودھ کے بندوبست امانی کے واسطے ایک دستورالعمل ترتیب دیا تھا۔ انھوں نے انتظامی اعتبار سے اودھ کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس وقت سے تحصیلداروں کو ناظم کہا جانے لگا۔ ۱؎ انہوں نے ہندوستان کے بہت سے مقامات کی سیاحت بھی کی تھی۔ ابتدا میں کمپنی کی سرکار کے ملازم تھے۔ آخر وقت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ۲؎ زخمی اعلیٰ درجہ کے نثر نگار تھے۔ انکی مصنفہ کتب حسب ذیل ہیں۔

(۱) حدائق النجوم۔ (۲) سلطان التواریخ (۳) انیس العاشقین۔ (۴) جام گیتی نما (۵) معیار الزمان (۶) شرح گل کشتی۔ وغیرہ۔ تاریخی فنی اور

۱؎۔ احسن التواریخ منشی رام سہائے تمنا مطبوعہ تمنائی پریس لکھنؤ ۱۹۱۴ء۔

۲؎ :-

ادبی اعتبار سے بھی انکی اہمیت کچھ کم نہیں ۶۵ سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا۔

(۱) حدائق النجوم - راجہ رتن سنگھ زخمی نے یہ کتاب ۱۲۵۳ ہجری میں بادشاہ اودھ محمد علی شاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس کتاب کے ۵۶ اجزا ہیں۔ یہ اس فن کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کتاب کے لکھنے میں انگریزی کتابوں سے بھی مدد لی گئی تھی یہ ساڑھے گیارہ سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے جو مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

(۲) سلطان التواریخ - یہ اودھ کے نواب خاندان کی تاریخ ہے جو اس خاندان کی ابتدا سے نواب محمد علی شاہ کے انتقال تک کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے کتاب کی ابتدا میں مصنف نے اپنے خاندان کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کی ٹیگور لائبریری میں موجود ہے۔

(۳) انیس العاشقین - یہ فارسی شاعروں کا ایک تذکرہ ہے جس میں ۱۱۷۶ مشہور شاعر اور مستورات کا ذکر ہے۔ اسمیں زیادہ تر متقدمین اور متاخرین شعرا کا ذکر ہے یہ کتاب ۱۲۳۹ ہجری میں لکھی گئی تھی۔ شعرا کے حالات اختصار کے ساتھ درج ہیں۔ انتخاب اشعار صرف غزل اور رباعی ہی پر منحصر ہے قصیدہ اور مثنوی کو صرف ضرورت بضرورت لیا گیا ہے شعرا کے تخلص بحروف تہجی مرتب ہیں شروع میں چار صفحے کا مختصر سا مقدمہ ہے جسمیں نصیر الدین حیدر متخلص بہ بادشاہ کی تعریف نثر اور نظم میں کی گئی ہے اس مخطوط کتاب کا آدھا حصہ ٹیگور لائبریری لکھنؤ میں اور دوسرا حصہ لاہور یونیورسٹی میں ہے۔

(۴) معیار النجومات - یہ ایک رسالہ ہے جسے راجہ رتن سنگھ زخمی نے

مارچ ۱۹۱۸ء میں لکھا گیا تھا۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ دو مقالے اور ایک خاتمہ پر منحصر ہے۔ مختلف دور کا ایک تسلسل ڈر (calendar) بھی دیا گیا ہے۔ معیار الشعرا کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔

(۵) شرح گلکشتی۔ اس کتاب کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ اس کے چند دوستوں نے میر نجات کی مثنوی گل کشتی لکھنے کا اصرار کیا کیوں کہ اسمیں بہت سی باریکیاں اور اصطلاحیں ایسی ہیں جنکے حل کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے مصنف نے اپنے استاد مرزا محمد حسین قتیل کے افادات اور کچھ اپنے نوٹ جو اپنے عزیز فرزند کنور دولت سنگھ لشکری کو پڑھاتے وقت تیار کئے تھے ان کو جمع کر کے ۱۲۵۷ ہجری میں اس مختصر رسالہ کی تالیف کیا۔ شرح گلکشتی کی ایک شرح مولوی سلامت اللہ کشفی نے بھی لکھی ہے جو لکھنؤ کے ندوۃ العلما کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۶) جام گیتی نما۔ یہ ایک رسالہ ہے جسکا حوالہ کیٹالاگ ریو حصہ سوم صفحہ ۱۰۲۱ پر ملتا ہے۔

۱۱۔ سکھ سدن عرف مٹھو میاں

ہے انکے والد کا نام تمر کھون داس تھا۔ آصف الدولہ کے عہد میں مصنف تھے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ تاہم چند مخطوطات دستیاب ہو گئے ہیں جن سے مصنف کی جدت ادا سلامت بیانی معنی آفرینی کا پتہ چلتا ہے۔

۱۲۔ شاداں، منشی بباون لال

منشی بباون لال شاداں سکسینہ، کائستھ تھے بلگرام ضلع ہردوئی کے باشندہ تھے انکے والد کا نام بہ تلاش بسیار

دریافت نہ ہو سکا۔ ان کے دادا کا نام موتی سنگھ رائے تھا۔ شاداں نے اس عہد
کے رسم کے مطابق فارسی زبان کا مطالعہ اپنے وطن ہی میں کیا اور فارسی نظم
و نثر لکھنے میں اچھی استعداد بہم پہنچائی۔ سنہ ۱۲۴۲ ہجری میں وہ لشکر کے نواب کے
یہاں منشی مقرر ہوئے اور اپنی لیاقت اور محنت سے اچھا لوگوں کو قائم
کیا۔ نواب صاحب اور ان کے صاحبزادے وزیر الدولہ شاداں کی نہایت
تکریم کرتے تھے انھیں کے حکم سے منشی موصوف نے ۱۲۴۱ ہجری میں امیر نامہ
تصنیف کی اور نواب صاحب کو پیش کیا۔

یہ کتاب ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے نسخے مخطوطہ جلدیں صاحبان ذوق
میں بطور تحفہ تقسیم کی گئیں۔ اس کتاب سے نہ صرف نواب صاحب کے حالات
اور سرگذشت کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ مرہٹوں کے گروہ کے بہت سے ضروری
اور عجیب حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کتاب سے بعض ریاستوں
کے بہت سے خفیہ رازوں کا بھی پتہ چلتا ہے اس کتاب کی اہمیت کا اس سے
بھی بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے دو ترجمے انگریزی زبان میں بھی
ہوئے۔" امیر نامہ کی نقل اور تحریر کا انتظام بھی منشی جی سے ہی متعلق رہا
اس کے لیے دس خوش نویس اور چابکدست مصور تعینات تھے اور یہ حکم
تھا کہ ہر وقت دس بیس جلدیں سادہ اور مطلا مع تصویرات کے تیار
رہیں اور جہاں کہیں سے فرمائش آئے فوراً بھیجا جائے چنانچہ امیر نامہ
کی بہت سی جلدیں رئیسوں اور انگریزوں کے پاس پہنچ گئیں۔

اس کتاب کے چند اشعار یہ ہیں جو کتاب کے خاتمے میں بطور شکریہ
تحریر ہیں ؎

چون این نامہ در پایان رسید　　بگوش دل آن اہل ہمت شنید
بسے شادماں گشت نیکو سخن　　کہ اے مرد میدان شعر و سخن
بجز آنچہ داری تمنا بسر　　ببخشیم تو از زر و جاگیر و زر

بگفتم کہ اے سرور نامدار — ندارم زجاگیر زندہ ہیچ کار
غنی ہستم از جود و احسان تو — کہ من ہم ہمویم ثنا خوانِ تو
ہمیخوانم اکنون شوم گوش گیر — بیادِ خداد دعائے امیر
چو بہ شنید این حرف مارا بگوش — بفرمود از ین خداوند ہوش
بگوید کہ بعد این گوارہ سرا — کہ زین دانگہ من تو باشی جدا
زجاگیر و خلعت مرا در نوافت — دلم را زبند غم آزاد ساخت

جب نواب صاحب کے انتقال کے بعد وزیر الدولہ بہادر ۱۲۵۰ ہجری میں مسند نشین ہوئے تو شاداں کو منصب گری سے سرفراز فرمایا اور انکا قرب اور اعزاز پہلے سے بھی زیادہ کر دیا کچھ عرصہ کے بعد گورنر جنرل کے پاس ایک معزز وکیل کی ضرورت ہوئی تو بنظرِ اعتماد اور راز داری کے شاداں ہی کو بھیجا۔

کلکتہ میں لاٹ صاحب بھی منشی جی کی قابلیت سے بہت مرغوب ہوئے۔ شاداں کے عروج کو دیکھ کر مفسدوں نے انکے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ ۱۲۵۲ ہجری ذی القعدہ میں انکا انتقال ہو گیا۔ منشی سکندر لال سہوانی جو انکی حویلی میں رہتے تھے اور فارسی زبان کے نہایت قابل ناظم اور ناثر تھے۔ انکی وفات کی تاریخ "ا" سے نکالی ہے۔

اجل سوئے جنت شدہ رہنما — زہرِ وفات است تاریخ "ا"

۱۳۔ لشکری دولت سنگھ

کنور دولت سنگھ لشکری کے والد کا نام راجہ رتن سنگھ زخمی تھا۔ یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ زخمی نے تنی۔ مشہد کتابیں انکو خود ہی پڑھائیں۔ جس میں میر نجات کی مثنوی گل کشتی

زمانہ کانپور نومبر ۱۹۱۲ء۔

بھی ہے۔ شنکری کی تعلیم کے سلسلے ہی میں انہوں نے گل کشتی لکھی تھی۔
شنکری بھی اپنے والد ہی کی طرح بڑے نکتہ سنج تھے اور نکتہ رس طبیعت
پائی تھی۔ باپ ہی کی طرح ریاضیات کے بیحد ماہر تھے۔ شنکری اعلی درجہ کے
شاعر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اعلی درجہ کے نثار بھی تھے۔ مصنف تذکرہ
"روز روشن" انکے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔

"شنکری دولت سنگھ فرزند راجہ رتن سنگھ، زلا دتش در شہر
لکھنؤ بسن الف ماتین (۱۲۰۰ھ) اتفاق افتادہ مردے
خلیق و مہذب واديب و مودب، نکتہ سنج اور دقیقہ رس
در علم ریاضی خلف الصدق پدر خود بودہ"۔ [۱]

شنکری نے ایک دیوان بطور یادگار چھوڑا ہے۔ "مکاتیب تہذیب"
انکی نثر نگاری کا اعلی نمونہ ہے۔ "مکاتیب تہذیب" خط نستعلیق میں ہے اسکے
۱۰۹ اوراق ہیں ۱۲۴۲ھ میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اخلاقیات پر ہے۔

۱۴۔ شیو داس لکھنوی

فارسی نثر نگاروں میں شیو داس لکھنوی
کا نام سر فہرست آتا ہے مگر افسوس
کہ انکے حالات زندگی بہت ہی کم معلوم ہو سکے ہیں۔ انکی تصنیف "شاہ نامہ
منور کلام" ایک بہت ہی اہم کتاب ہے اس کتاب کی خصوصیت کے حامل
وہ مراسلات و خطوط و فرامین ہیں جنہیں مولف نے اشخاص متعلقہ یا دفتر
سرکاری سے حاصل کر کے اسمیں شامل کیا ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ
میں بھی مصنف نے اپنے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ اور براہ راست
خاکسارانہ طور پر خدا کی تعریف کرنے کے بعد حسب ذیل چند اشارات پر
اکتفا کی ہے۔

---

[۱]: شنکری کی مکاتیب تہذیب کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے

"اگر در طاقت و قدرت ایں بے بضاعت ذرۂ حقیر عقیدت اساس
شیو داس لکھنوی نیست و بنا بر دا ماجوں بودتے در مجلس والا شیان عالی
فطرت تربیت یافتہ و عمرے در خدمت با فیض و برکت بزرگان در کسب اشعار
و اختیار کار ہا گذرانید از تاثیر صحبت ایشان شمہ از آن بقید قلم آورد و بہ
"شاہ نامہ منور کلام" موسوم ساخت از فیض منشیان عظام والا فرجام و آرزو
دارد کہ ہر جا در ہر سخن سہوے و خطائے کہ خلاصۂ بشریت است راہ یافتہ
باشد قلم اصلاح بر آن جاری فرمایند۔"

اسی کتاب میں ص۱۱۲ پر کچھ ایسی باتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ جب سید برادران فتح پور سیکری سے محمد شاہ کو لے کر اکبر آباد میں داخل
ہوئے تو سوانح نگار شیو داس لکھنوی ان کے ساتھ تھے۔

ان واقعات سے ہمیں اسکی صحیح حیثیت کا اندازہ نہیں ہوتا لیکن اتنا
ضرور اندازہ ہوتا ہے وہ ایک صاحب فہم و بصیرت منشی تھے اپنے بزرگوں
کی خدمت میں رہکر انھوں نے فن انشا میں مہارت تامہ حاصل کی اور
اخبارات و سوانح کی فراہمی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان
کے حالات ذاتیہ پردہ اخفا میں رہ گئے ہیں۔

مشہور مورخ پروفیسر آشیر وادی لال سریواستوا نے "شاہ نامہ
منور کلام" کے مصنف کا نام شیو داس کے بجائے شیو چرن داس لکھا ہے
جو غلط ہے[1]۔

۱۵۔ عاشق ٹھاکر داس

افسوس ہے کہ عاشق کے بھی حالات زندگی بکثر دستیاب ہو سکے ہیں مگر انکی کلیات[2] فارسی جو ۳۴۸ صفحات کی مجموعی کتاب ہے مخطوطہ،

---

[1]۔ اودھ کے پرچم دو نواب (ہندی) ۲۹۰۔ [2] کلیات فارسی۔
مخطوطہ۔ ٹھاکر داس عاشق لکھنوی۔ رضا لائبریری رامپور۔

قلمی ہے فن انشاء سے تعلق رکھتی ہے اور ۱۱۷۲ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ اس کتاب سے مصنف کے نجی حالات کا صرف اتنا پتہ لگتا ہے کہ وہ آبائی طور پر لکھنؤ ہی کے باشندہ تھے اور فن انشاء اور فن شاعری میں کمال رکھتے تھے اس کتاب کی ابتدا ایک مختصر سی تمہید اور مناجات سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں سات مناجات ہیں۔

۱۶۔ فلسفی منولال

منولال نام تھا اور فلسفی تخلص، فارسی عربی اور لسانیات کے متبحر عالم تھے۔ بلند پایہ شاعر اور نثر نگاروں میں تھے۔ مولفِ تذکرہ انیس التحقیق آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نامش منولال فلسفی از قبیلہ کائستھ و مولدش بریلی است۔ در علوم حکمی خصوصاً در فنون ریاضی دست دراز میداردؔ"

آپ کی وفات ۱۲۶۴ھ میں ہوئی۔ موصوف نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں۔ (۱) تنقیح الاخبار (۲) مفردات طب (۳) گلستان ارم (۴) ماکن فلسفی۔

تنقیح الاخبار:- یہ کتاب منولال فلسفی نے ڈیڑھ سو صفحات میں لکھی ہے اور سات ابواب قائم کئے ہیں۔ باب اوّل میں ۹۰۰ھ کے قبل کے ہندوستان اور اسکے مختلف حصوں پر حکومت کرنے والے سلاطین کا ذکر ہے باب دوم میں تیموری بادشاہ بابر سے لیکر شاہ عالم تک کا ذکر ہے۔ باب سوم میں مغولستان اور ماوراءالنہر کی تاریخ ہے۔ باب چہارم میں ایران کا تذکرہ ہے اور باب پنجم میں بابل کی تاریخ باب ششم میں شام و مصر کی تاریخ اور باب ہفتم میں تفصیل کے ساتھ فرنگستان وغیرہ ملکوں کے تاریخی و سیاسی حالات پیش کئے گئے ہیں۔

مفردات طب:- یہ کتاب طبی اصولوں پر مبنی ہے۔ اجزائے اشیاء خواص انہا

اور پھر فرداً فرداً مفردات کی فطری و کیمیائی خصوصیات پر مشتمل ہے اطبّاء کیلئے یہ کتاب بہترین رہنما ہے۔ آج بھی اسکا قلمی نسخہ موجود ہے[1]

گلستان اودھ۔ یہ ۵۰۸ صفحات کی کتاب ہے۔ محقق عصر مولانا عرشی صاحب کا قول ہے کہ ۲۴۹ صفحات کے بعد کتاب میں خامی بھی آگئی ہے کیونکہ کتاب فروشندہ نے دھوکا دینے کیلئے کچھ تحریف کی ہے۔ یہ کتاب خط نستعلیق میں ہے۔

معادن فلسفی:۔ یہ کتاب جغرافیہ ہے جو ۳ جلدوں پر مشتمل ہے جسمیں تمام دنیا کے جغرافیائی حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

۱۷۔ بخشی نرائن۔

نواب اودھ کے یہاں ملازم تھے فارسی و عربی کے عالم تھے۔ اور شاعر بھی تھے فن انشا میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ انکی ایکسو پچاس (۱۵۰) صفحے کی مطبوعہ مندرجہ ذیل عنوانات کی حامل ایک کتاب ہے جو ۱۲۶۰ھ کی تالیف شدہ ہے اس کتاب میں پچاس عنوانات انشائیہ قائم کر کے لکھے گئے ہیں۔ جنمیں مندرجہ ذیل خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

(۱) در تاریخ فتح قلعہ اٹاوہ کہ از دست اولیائے وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بہادر مفتوح گردید۔ (۲) رقعہ در صفت ماہی بخشکہ مرزا صفدر بیگ داروغہ بخشی برائے اخوند احمد علی آوردہ بودند۔ (۳) رقعہ بہ منبر علی خاں انطرف جواہر علی خاں در رسید شیشہ ہائے گلاب و اچار مربہ (۴) عرض داشت بیگم صاحبہ بجناب شاہ عالم۔ (۵) عرضداشت دیگر در عطائے خلعت (۶) در تلازم آتش کہ در سنہ ۱۱۸۶ ہجری کہ در فیض آباد خانہائے محمد عطا خاں وغیرہ کنار دریا مع کشتیہا صدہا دم را سوختہ۔

---

[1] اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔

۱۸ا۔ مسرت عوض رائے

عوض رائے نام اور مسرت تخلص تھا
انکے والد کا نام لالہ لال جی مل تھا
کائستھ تھے شاہ جہاں پور کے محلہ مسجد گنج میں مکان تھا۔ شیخ احمد خاں
تناؔ کے شاگرد تھے۔ انھیں سے فارسی عربی اور ترکی تعلیم پائی نہایت
ذکی اور ذہین تھے جس کی بدولت استاد کا بھی نام روشن ہوا۔ انکی دیوان
ترتیب دیے اور اساتذہ کے دیوان کی شرحیں لکھیں۔ چنانچہ حکیم ثنائی
کے قصائد کی ایسی شرح لکھی کہ صاحبان ذوق کو حیرت میں ڈال دیا۔
اشعار کی تشریح مختلف اسلوب سے کرتے ہوئے مختلف معنی بیان کیے ہیں
امرائے دلی اور لکھنؤ کی شان میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ آزاد کے کلام میں
شوخی اور صفائی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ان کے کلام پر اہل زبان کے کلام
کا دھوکا ہوتا ہے۔ نواب سعادت علی خاں مسرت کی قابلیت اور سخنوری
کے بڑے قدردان تھے۔ فن شعر اور حل طلب اشعار سے متعلق ان سے
رجوع کرتے تھے۔ میرزا نصیر الدین بھی انکے قدردانوں میں تھے جنھوں نے
مسرت کو اپنے علاقہ کا ضلعدار بنا دیا تھا۔ تاہم ان قدردانیوں کے باوجود
وہ تمام عمر فکر معاش میں سرگرداں رہے کبھی چین سے بسر نہ ہوئی ان کی
ان تمام پریشانیوں کے پیچھے ان کی نازک مزاجی کا بڑا ہاتھ تھا۔
مسرت کی تصانیف کی تعداد اٹھائیس بتائی جاتی ہے۔ فارسی
دیوان میں بیس ہزار اشعار ہیں قصائد ثنائی قرآن السعدین دیوان ناصر
علی سرہندی، دیوان زلالی، مثنوی مولانا عبدالجلیل بلگرامی وغیرہ کی،
شرحیں لکھیں۔ بہار دانش کو منظوم کیا۔ آفتاب مسرت، دیوان مسرت،
باغ سلطان عطا شاہ جو ایک تصنیف ہے منظوم سات سو اشعار پر مشتمل
ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تمام کتابیں دست برد زمانہ
کی نذر ہو گئیں۔

مسرت میں انتہا رنجیدگی تھی۔ اکثر قلم برداشتہ ایسا لکھتے تھے کہ لوگ کاتی تحریر کے بعد بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ افسوس ہے کہ زمانے نے انکی قدر نہ کی مرزا عبداللہ خاں کے انتقال کے بعد برابر پریشان رہے۔ مزاج میں افلاس اور ناداری نے چڑچڑاپن پیدا کر دیا تھا چنانچہ مایوس ہو کر فرماتے ہیں۔

قدر ہنر نہ ماند مسرت درین جہاں　　بیزارم از چہ ہنر آرزو کنم

۱۲۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔

نمونہ کلام

از پیر و جواں شور تولائے تو برخاست　　برخیز کہ عالم بہ تماشائے تو برخاست
من سوختم از سوزِ غمِ عشق تو اول　　از خانہ دل آتشِ سودائے تو برخاست
تسبیح بکف دارم و زنار بہ گردن　　ایں سلسلہ از زلفِ چلیپائے تو برخاست
یک نیزہ بلند از سرِ عشق رود خون　　ایں فتنہ کہ از قامتِ رعنائے تو برخاست

نالیدن دلہا عجبے نیست مسرت
سوزِ عجبے از دلِ شیدائے تو برخاست

۱۹۔ مہاراجہ درگا پرساد سندیلوی

راجہ درگا پرساد ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے بزرگوار موضع خراسان ضلع گونڈہ کے باشندہ تھے وہ لوگ نہایت ہی خوشحال اور فارغ البال زمیندار تھے۔ انکے والد کا نام راجہ دھنپت رائے تھا۔ وہ بڑے رئیس، الطبع سخی الخصلت، رفیق القلب و بلند حوصلہ تھے۔ فیاض اتنے تھے کہ اگر گنج قارون بھی انکے ہاتھ میں آ جاتا تو وہ اسے بھی لٹا دیتے۔ اپنے ملازموں اور عزیزوں کو بہت تعظیم کے الفاظ سے پکارا کرتے تھے۔ انکو خط شکست اور نستعلیق میں کمال حاصل تھا۔ ساتھ ہی ساتھ انشاء پرداز بھی تھے۔ راجہ درگا پرساد

فارسی کے ایک ایسے مصنف ہیں جن کا عہد نوابی دور کے خاتمہ اور انگریزی دور کے ابتدا میں تھا۔ انھیں ان دونوں ادوار کے درمیان کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے۔

راجہ درگا پرشاد سندیلہ کے باشندے تھے انھوں نے زمانہ کے مطابق فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ انھیں استاد بے بدل مولانا ظہور حسین لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا ۱۸۶۷ء میں لارڈ لارنس نے خلعت گراں بہا بھی عطا فرمائی تھی۔ راجہ صاحب نے مٹیا برج کا بھی مشاہدہ کیا تھا۔ اسوقت نواب واجد علی شاہ کو گذرے ہوئے پانچ سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ پرنس مرزا وہاں مستقل طور پر مقیم تھے وہ راجہ صاحب سے بہت ہی اخلاق سے پیش آتے تھے اپنے پہلو میں کرسی پر بٹھاتے۔ راجہ درگا پرشاد نے انکو بوستانِ اودھ کی دو جلدیں پیش کیں پرنس نہایت خوش ہوئے بہت سے اشعار بھی ان سے سنے اور بصد افسوس انھیں رخصت کیا اور شاہانہ خلعت گرانمایہ عطا کی۔ اسکے علاوہ کنور بخت بہادر کو ایک سو روپیہ شیرینی اور میوہ کے لیے دیئے۔ راجہ صاحب کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد دس ہے جن میں تصانیف پانچ اردو میں اور پانچ فارسی میں ہیں۔ فارسی تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں[1]

(۱) گلستان ہند (تاریخ ہند) (۲) بوستان اودھ (تاریخ اودھ) (۳) تذکرہ حدیقۂ عشرت (شاعرات کا تذکرہ) (۴) ہند دل پسند، (۵) مغز اخلاق۔ (اخلاقیات سے متعلق)

اسکے علاوہ خوشخطی (سفرنامہ کلکتہ)[2] تقریظ بر دیوان حافظ[3] بھی ان

۱۔ راجہ صاحب کی مطبوعہ کتابیں لکھنؤ یونیورسٹی کے ٹیگور لائبریری میں موجود ہیں۔
۲،۳۔ دونوں کتابوں کے قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔

کی قابلِ ذکر فارسی تصانیف ہیں۔

راجہ صاحب کی سمادھی قصبہ سندیلہ میں پختہ سڑک کے قریب واقع ہے جس پر انکے یہ دو شعر کندہ ہیں۔

چہ تو شاہ روئے زمیں شوی چہ گدائے گوشہ نشیں شوی
نہ شوی رہا زکفِ اجل، چہ چنان شوی چہ چنیں شوی

۲۰۔ ہرنام سنگھ۔ ہرنام سنگھ کے والد کا نام گردہاس سنگھ تھا۔ یہ سارسوت برہمن تھے۔ علاقہ نوال (لکھنؤ) انکا وطن تھا۔ ابتدا میں یہ عین الدین خاں، حاکم بریلی کی ملازمت میں رہے۔ یہاں انکے والد بزرگوار نائب کی حیثیت سے تھے۔ انکی شادی قمر الدین کے دیوان راجہ مجلس رائے کی پوتی سے ہوئی تھی۔ ہرنام سنگھ کی تصنیفات میں "تاریخ سعادت جاوید" بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب نواب سعادت علیخاں وزیر اودھ سے معنون ہے۔ اس کتاب میں چار فصلیں ہیں۔

فصل اول:۔ مہابھارت کے زمانے کی ابتدائی رات سے صبح صادق تک :۔

فصل دوم :۔ سلاطین دلی میں محمود غزنوی سے شاہ عالم تک کے حالات دیئے گئے ہیں۔ محمد شاہ کے زمانے کے حالات اور انکے زمانے کے گیارہ امیروں کے حالات درج ہیں۔ غلام قدیر خان کی وفات ۱۲۰۳ھ تک کے واقعات ملتے ہیں [۱]

فصل سوم :۔ وزیر آصف الدولہ کے امراء اور راجگان کے تذکرے ہیں۔ روہیلوں پر آصف الدولہ کی فتحیابی۔ آصف الدولہ کی وفات اور وزیر علی کی تخت نشینی وغیرہ کے تذکرے ہیں۔ انگریزوں سے لڑائیاں اور سکھ نیز جاٹوں کے حالات ہیں۔

فصل چہارم :۔ یہ حصہ نامکمل ہے۔ اسمیں سات موسموں کے حالات [۲]

۱۔ کیٹلاگ ریو جلد سوم صفحہ ۹۱۳۔ ۲۔ کیٹلاگ ریو جلد سوم صفحہ ۹۱۳۔

وتذکرہ ملتے ہیں۔ اس کتاب کی ابتدا میں مصنف مسلمانوں کی طرح پیغمبر رسول اللہ صلعم کے لیے دعا کرتا ہے۔ وہ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ابتدائی زندگی میں ایسی ہی کتابوں کے مطالعے کا شوق تھا۔ اور اپنی فرصت کے اوقات میں وہ بادشاہوں، نوابوں اور راجاؤں کے حالات جاننے اور پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ پھر خیال پیدا ہوا کہ وہ ان معتبر کتب پر ہی کیوں اکتفا کرے؟ وہ خود کیوں نہ ایسی معتبر کتاب لکھے کہ نام رہے لیکن مالی پریشانیوں کی وجہ سے اسوقت ممکن نہ ہو سکا جب تک کہ نواب سعادت علی خاں انکے مربی اور سرپرست نہ ہو گئے۔ اسی بنا پر اس کتاب کا نام انکے نام پر رکھا گیا۔

۱۲۔ کاشی پسر بیربل۔ کاشی کا پورا نام نہیں معلوم ہو سکا مگر انکے والد بلحاظ قوم کائستھ تھے فارسی ادبیات میں زبردست عالم تھے۔ مزید برآں ترکی زبان میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ انکی تصنیف "ہفت اختر" بہت مشہور ہے جو ترکی زبان کی قواعد ہے اور فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے اس کتاب کے ایک ورق کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو راجہ صاحب بالم گڈھ کی ایک کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی شروعات مندرجہ ذیل فقرے سے ہوتی ہے

"اے پر معنت از خدا اندر از نکرت پر تری" [۱]

---

[۱] کیٹلاگ ریویو جلد سوم۔

"Agrammer of Turkish language. translated from a copy library of Raja Balamgadh."

باب پنجم

ایک اجمالی ریویو اور تقابلی مطالعہ

اس مقالے کے پچھلے ابواب میں نوابی عہد کے فارسی ہندو شعراء کے کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں لیکن اس وقت تک کلام کا مطالعہ ادھورا ہے جب تک کہ انکے کلام پر ریویو نہ کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر کچھ منتخب شاعروں کے کلام پر ایک مختصر سا تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ الفت راجہ الفت رائے الفت، احسان اللہ ناحق کے شاگرد تھے وہ انکی قابلیت اور استعداد سے بیحد متاثر تھے عربی زبان پر کافی عبور تھا۔ انھوں نے اپنے کلام میں عربی، قرآنی اصطلاحات بکثرت استعمال کی ہیں جیسے۔

مَطلَب مَن کہ ہُمت و مَولا مُدّعا سِی قَل ہُمِی — تا جدارِ کل و آتی الحمد را صاحب لوا
بادشاہِ لو کشف و ماہِ سپہر لا فتیٰ — صاحب یُوجد یُوذن با للہ، آفتابِ انّما
زُبدۂ الثقلین لعمرک نازشِ روحِ الامین

مہبطِ نورِ الٰہی مصدرِ آثارِ غیب — مخزنِ سرِ سلونی مطرحِ انظارِ غیب
معدنِ علمِ لدُنی مشرقِ انوارِ غیب — مقصدِ تنزیلِ بلّغ مظہرِ اسرارِ غیب
مطلعِ یتلوہ شاہد مقطعِ حبل المتین

تراکیب اور بندشِ الفاظ، تشبیہات و استعارات و تلمیحات کا استعمال

بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۲. بسمل درگا پرشاد بسمل۔ انکے کلام میں تغزل بھی ہے اور تصوف کی چاشنی بھی۔ انکے کلام میں محاسن شعری کے التزام اور صنائع و بدائع کے برمحل استعمال سے اشعار میں رنگینی اور کشش پیدا ہو گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک شعر ملاحظہ ہو

رنگ حنا بجز دلِ من خون نمودہ است — کام بزر رنگِ اشک دگر گوں نمودہ است

۳. بسمل بھگوان داس بسمل نے موزوں طبیعت پائی تھی۔ ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایوں میں نظم کرتے ہیں۔ ہر شعر کو صنائع و بدائع سے زیبائش دینے کی کوشش ہے لیکن تکرار نے اکثر حسن شعر کو ختم کر دیا ہے لیکن کہیں کہیں یہ کوشش کامیاب بھی ہوئی ہے تشبیہات و استعارات کے استعمال سے اشعار میں چستی و جاذبیت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

گہ پردہ برافگندہ، رخ یار بر آمد — خورشید برافگندہ ز کہسار بر آمد

۴. پروانہ جسونت سنگھ کے کلام میں شگفتگی، زبان میں روانی اور سلاست ہے۔ کلام میں رعایت لفظی سے خوب کام لیتے ہیں

یہ ہجر تو اے شمع پروانہ تا کے — کشد از ہجر نالہ آتشیں را

۵. جوہر جواہر سنگھ جوہر ان کے کلام پر تصوف اور فلسفہ کا رنگ غالب ہے۔ شعر میں کیف و مستی کے بجائے سوز و گداز حزن و اندوہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ مثنوی "جوہر افلاک" میں علم نجوم کے مسلمات بیان کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علم نجوم پر عبور تھا۔ مثنوی "جوہر ادراک" فلسفہ مابعد الطبیعات بیان کیا ہے۔

۶. خوشگو بندرابن داس خوشگو کہنہ مشق شاعر تھے تشبیہات و استعارات اور تلمیحات سے اشعار میں حسن پیدا کرنے

کی کوشش کرتے تھے۔ اشعار میں بے تکلفی اور والہانہ ذوق تو نہیں لیکن سنجیدگی، حسن ترتیب اور حسنِ تعلیل کی فراوانی ہے۔ مثال۔

آوازِ تیشہ امشب از بیستون آید ۔۔۔ شاید بخواب شیریں فرہاد رفتہ باشد

۷۔ دیوانہ ۔۔ سرب سکھ دیوانہ در اصل اپنے زمانے کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ دیوانہ کی زبان شستہ تھی۔ تخیلات بلند، پختہ کار تھے۔ انکی شاعری میں ایرانی طرز نمایاں تھا۔ اگرچہ انکے اشعار میں ہندوستانی تراکیب بھی ہیں اور ایرانی بھی۔ کہیں کہیں خسرو کا رنگ جھلکتا ہے۔ جیسے۔

آئی تو کہ بر تو جمالیت ۔۔۔ یک شعلہ ز شمع طور بالا

۸۔ زخمی ۔۔ راجہ رتن سنگھ زخمی ماہر و قادر الکلام شاعر تھے۔ انکے یہاں شگفتگی، روانی، دلکشی اور معنی آفرینی کی فراوانی ہے۔ انکے کلام میں متقدمین اور ہمعصر اساتذہ کے مضامین کا توارد اکثر پایا جاتا ہے۔

۹۔ شکرہی ۔۔ انکا کلام بلحاظ زبان تو زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن بلحاظ بیان شگفتہ اور رواں ہے اشعار کو، تشبیہات اور استعارات سے خوب سمجھاتے ہیں جیسے۔

جلوہ گر روئے یار از کاکل ۔۔۔ نسترین سر کشیدہ از سنبل

انکے اشعار رنگین جذبات کا گہوارہ ہیں اور اچھی منظر کشی کرتے ہیں۔ ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر جگہ بیحد کامیاب نظر آتے ہیں

۱۰۔ صبر ۔۔ صاحب بیان و زبان شاعر تھے الفاظ کی بندش خوب ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دربار سے وابستہ تھے۔

۱۱۔ عاصی ۔۔ انکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صوفی منش انسان تھے حمد گوئی سے خاص شغف تھا۔ غزلوں

میں تصوف کا رنگ غالب تھا۔ قافیہ پیمائی کے بڑے ماہر تھے۔ فارسی لغت پر بھی عبور معلوم ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا چند شعرا کے کلام پر نظر ڈالنے اور مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ لو ابین کے عہد میں جتنے بھی شعرا گذرے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں نظر آتا جسے ہم صف اول کے شاعروں میں شامل کر سکیں البتہ درجہ دوم کے شعرا کی تعداد کافی ہے پھر بھی انکا کلام قوم کے لیے باعث فخر ہے اور قومی اتحاد کے لیے ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جسے ہم محفوظ کر کے آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

فارسی نثر میں بھی جو کچھ اس دور میں لکھا گیا قابل قدر ہے۔ بے شمار موضوعات پر کتب فاخرہ تصنیف کی گئی ہیں جو آج بھی ہمارے لیے سرمایہ عز و افتخار ہیں آیندہ بھی اہل ذوق و تلاش اس سے یقیناً مستفیض ہوتے رہینگے۔ ایسے گرانمایہ علمی ذخائر کی حفاظت ہماری اپنی انسانیت کو عزت بخشتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم علم دوست انسان ہیں۔ اس خزینہ نظم و نثر کا مطالعہ اور ان مصنفہ کتب کی ورق گردانی سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اودھم کے ہندو فراخدلی سے تحصیل علم و اشاعت علم میں کتنی دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ فارسی پر کتنا عبور رکھتے تھے، انکی معلومات کتنی وسیع تھیں۔ فارسی کے رواج کو ان ہندوؤں نے بڑی تقویت پہنچائی۔

وہ زمانہ جب کہ کسی بات کے حاصل کرنے، علم و فن و صنعت کے جاننے میں کسی طرح کی آسانیاں نہ تھیں، کتابوں کی فراہمی نقدان مطابع کے سبب ممکن ہی نہ تھی۔ سفر کی مشکلات راہ میں حائل تھیں، ذوق و تشنگی غائب تھی۔ فنون و علوم کو چاہنے والوں تک پہنچانے والوں کا قحط اجیبا تھا۔ ایسے سخت و کرخت حالات میں اہل ہندو کا فارسی حاصل کرنا، سوتی

کے حصول کا رجحان یہ انگریزی انتہائی حیرت ناک ہے ... فارسی حاصل کرنے والے ہنود کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان ہنود نے بتایا کہ انگریزی اچھی اور بہتر ہے تو باہر جا کر اور دقتیں برداشت کر کے حاصل کرنا ہی چاہیے جبکہ وہ نعمت یا زبان خود ہی ہمارے ملک میں آ جائے اور ہم ادھر توجہ نہ کریں یا اسے حاصل نہ کریں۔ اسے حاصل ضرور کرنا چاہیئے۔ ہر آتے والی نعمت کا بخوشی استقبال کرنا چاہیئے۔ اور اسے اپنے دل میں جگہ دینی ہی چاہیئے۔

اس زمانہ میں جبکہ بلاغت کے سمجھنے والے عام طور پر بہت کم ہوتے ہیں فارسی جیسی شیریں اور بلیغ زبان کو اکثر ہنود خاص کر کائستھ طبقہ نے نہایت صحیح، فصیح، سلیس اور آسان فارسی زبان میں لکھ کر عام انسان اودھ کے سامنے پیش کر کے فارسی کی تحصیل کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ لوگ والہانہ فارسی سیکھنے اور جاننے کی طرف دوڑتے تھے۔ یہ جذبہ پیدا کرنا انہیں ہنود خاص کر کائستھ طبقہ کا کام تھا۔

الغرض ہندوؤں نے ہر زمانہ میں خاص کر نوابان اودھ کے دور میں فارسی علوم و ادبیات سے بے پناہ دلچسپی رکھی، تصنیف و تالیف کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اور آج بھی ملک کے مختلف اطراف و اکناف میں انکی خاصی تعداد موجود ہے جنہیں فارسی زبان و ادب سے بیحد محبت ہے۔

۱۰۱ احقر۔ پروفیسر رادھے شیام رستوگی۔

احقر صاحب کی پیدائش ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ میں ہوئی۔ انکے والد کا نام لالہ رگھوبر دیال تھا۔ جو بہت ہی متقی اور خدا ترس انسان تھے۔ وہ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ اس طرح شاعری کا ذوق اور ادبی ماحول دونوں احقر صاحب کو وراثت میں ملا تھا۔

انھوں نے فارسی اور اردو کی تعلیم اپنے زمانے کے مشہور معلّم منشی اودھ بہاری لال ثمر سے حاصل کی اور انگریزی مسٹر ایم۔ سی۔ رائے سے پڑھی جو اس وقت کے انگریزی ادب میں ایم۔ اے۔ کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور لکھنؤ یونیورسٹی میں بھیجے گئے ۱۹۳۴ء میں وہ کاونسل کے ممبر بھی نامزد ہوئے تھے۔

اپنی طالبعلمی ہی کے زمانے میں انھوں نے غزل گوئی شروع کی۔ بعد ازاں وقت کے تقاضوں نے انھیں قومی تحریک سے متاثر کیا اور انھوں نے پرجوش سیاسی نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔ "برہنہ فقیر" نوحہ سردار بھگت سنگھ "مشت غبار" خطاب بہ علامہ اقبال، ڈاکٹر ٹیگور، بر وفات سروجنی نائیڈو نظم استقبالیہ وفد ایران (اپریل ۱۹۴۷ء) وغیرہ انکی وہ نظمیں ہیں جو انھوں نے فارسی میں کہی ہیں اور شائع ہوئی ہیں۔ انکے کلام کا ایک اور مجموعہ بنجارہ نامہ بھی منظر عام پر آچکا ہے۔

برہنہ فقیر

در سیاست انقلاب این چنین آرد فقیر	یک فقیر برہنہ در پیش خاقان می رود
آن فقیر تارک الدنیا کہ اسم پاک او	چون خلائق بر زبان پاکبازان می رود
صلح جوئے و صلح خوئے صلح کیش و صلح کوش	از برائے صلح سوئے انگلستان می رود

یا برائے آبیاری ہائے نخلِ حریت — آمدے آمدے از ریاضِ خلد رضواں می رود
یا بسوے بُراقِ عزم با جبریلِ ہوش — بہر دیدارِ جلالِ ظلِ یزداں می رود
یا ہزار خوش نوا بیتاب در فصلِ بہار — در تلاشِ بوے گل سوے گلستاں می رود

نوحہ سردار بھگت سنگھ

آں نوجوان شیرِ زماں پر زور چوں پیلِ دماں
روئین تن ہندوستاں چوں رستم اندر سیستاں
از دہر چوں رو تافتہ سوئے جناں بشتافتہ
عمرِ دوامی یافتہ واصل شدہ با جانِ جاں
گشتہ بیش زہرِ اجل آبِ حیاتِ بے بدل
در قسمتش بود از ازل چوں خضر عمرِ جاوداں
پروانۂ شمعِ وطن جانبازِ ملی انجمن
ہمرنگِ بلبل نعرہ زن در گلشنِ ہندوستاں
مانندِ یوسف شانِ او حسنِ وطن ایمانِ او
کنعانِ او زندانِ او در قید بودہ شادماں
لاغر بدن ہمت قوی عزمش مصمم دل جری
بیساختہ آید ہمی توصیفِ او بر زباں
در جسمِ او تا ماندہ دم میگفت بندے ماترم

افسوس کہ فارسی ادب کا یہ مایۂ آخری ادیب ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۸۲ء ۷۶ سال کی عمر میں رخصت ہوگیا۔

۲۔ اخلاص۔ کالی پرشاد۔

کالی پرشاد اخلاص کائستھ تھے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ فارسی نظم و نثر پر یکساں قادر تھے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کے شاگرد تھے۔ محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا جسکے صلہ میں ایک ہزار روپیہ کا انعام ملا تھا۔ اس قصیدہ کا مطلع و مقطع یہ ہے۔

معدنِ لطف و کرم مخزنِ جاہ و حشم — منظہر لطف و نعم مسکمن مہر اتم

یاں چنیں مدح شاہ ہست با اخلاص جاہ — ہر دم و ہر لحظہ راہ است بدر بار ہم

۳۔ برہمن۔ پنڈت بشمبھر ناتھ ٹھلل بی۔ اے۔ رائے بہادر

اپ گریجویٹ ہونے کے بعد اوّل راجہ اجیت سنگھ تعلقہ دار کے یہاں ٹیوٹر مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں پرتاب گڑھ ہائی اسکول میں ماسٹری خالی ہوئی۔ چونکہ مسٹر نیسفیلڈ ڈایرکٹر سررشتہ تعلیم آپکے مربی تھے، انھوں نے آپکو عہدہ مذکور پر مقرر کیا۔ زیادہ حصہ ملازمت کا پرتاب گڑھ میں صرف ہوا۔ وہاں سے آپ کا تبادلہ گورنمنٹ اسکول کانپور کی ہیڈ ماسٹری پر ہوا اور کانپور سے ہی مستفید پنشن ہوئے۔ آپ نے بہ عمر ساٹھ سال رحلت فرمائی ۱۹۰۷ء میں آپ کانپور گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور قصیدۂ ذیل بہ مدح پنڈت گوپال کرشن گوکھلے کے بارے میں تصنیف فرمایا تھا۔

تذکرہ صبح گلشن سے ماخوذ۔

قصیده در مدح پنڈت گوپال کرشن گوکھلے

از صدف ریزد گہر در رشتہ مقرآید بہم چون شود گرم تکلم لعلِ خوش گفتارشان
گفت او شد بر فلک در وغط مثالِ بنیا فرض را چون دل نشینم کردہ خود دلدارشان
لطف ہا گر دو بہم آید بستہ دار دنے بہ کف ہمدم درد نہایش ہر کسے غمخوارشان
پُر امید ہر دل کہ زآن فیض گران بار شود یک دمے را عالمے ممنون از اظہارشان
مرحبا صد مرحبا بحر فیض فیاض ازل از نہال سعی شگفتہ گل واز بارشان
جی بتوان گفتن نہ حرفے از صفاتِ گوکھلے بس دعا کن برہمن در گہر گفتارشان

یا الٰہی ہمتش کن بدرقہ در راہ عشق
عمر او باد او راز از مقصد و معمارِ شان

۴۸۔ بیخود۔ پنڈت درگا پرساد مشران۔

پنڈت درگا پرساد مشران لکھنوی کے والد کا نام پنڈت شمبھو ناتھ مشران تھا۔ اودھ کے اضلاع میں ڈپٹی کلکٹر رہے اور اس عہدہ سے ریٹائر ہوئے ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔ فارسی شاعری میں مہارت تھی۔

کلام

یاسمن تن سرو قد غنچہ دہانے داشتم گلرخے پیشِ نظر چون گلستانے داشتم
میزبان بود م زمانے میہمانے داشتم چہ مکان این تنِ دل خستہ جانے داشتم
جائے او در دل دورد دل زبانے داشتم او مکان را جائے در دل ہمچو جانے داشتم
راز ظاہر نہ کردم باگلے در باغ دہر ہمچو نرگس دیدہ چون سوسن زبانے داشتم

از بہار کشمیر حصہ اول صفحہ ۱۲۸

برزمین افتادہ کے واستم انجام کار ۔ تکزیے ایں بخت واند دل آسمانے داشتم

منزل مقصود ما نگرفتہ یاران طریق ۔ رہ غلط کردم کہ ہمرہ کاروانے داشتم

دوستے یا من بُد دنیا و ساقی ہمہ شدم ۔ ہر در دلے وانشت با ہر یا سے داشتم

بیخود خاطر حزیں از لوح ہستی محو شد

ہر نام نقش باطل ایں نشانے داشتم

۵۔ ثمرؔ۔ اودھ بہاری لال۔ منشی اودھ بہاری لال ثمر سنہ ۱۸۵۹ء میں سیتاپور میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے والد کا نام کنور چندی لال تھا۔ سری واستو کائستھ تھے۔ شاعری میں اپنے والد کے شاگرد ہوئے۔ فارسی میں خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کرکے آگرہ اور اودھ کے مختلف مدارس میں فارسی مدرس رہے۔ کائستھ سماچار کے ایڈیٹر بھی رہے۔ سنہ ۱۸۹۱ء تا ۱۹۲۵ کرسچن مشن ہائی اسکول لکھنؤ میں فارسی کے مدرس رہے۔ ناگاہ سنہ ۱۹۲۱ میں جوان بیٹے ...... بابو برج دیال کے انتقال کا ایسا صدمہ پہنچا جس نے بڈھے باپ کو زندہ درگور کر دیا۔ طبیعت دنیا سے ہٹ گئی۔ شعر و شاعری رخصت ہو گئی۔ بقائے نام کے لیے فارسی کا مجموعہ خیابان ثمرؔ کے نام سے چھپوا کر شائع کرا دیا۔

۱۹۳۲ میں انکا انتقال ہوا۔

ثمرؔ نے ایک مثنوی بعنوان "مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات" سنہ ۱۳۴۵ ہجری میں لکھی۔ انکا پہلا شعر ہے۔

رقم زد ثمر ایں مناجات را

ملک گفت احسن فلک گفت زہ

۶۔ جگت۔ پنڈت جگت نرائن بھان۔ پنڈت جگت نرائن بھان کے والد کا نام

جے کرشن بھان پنڈت سروپ نرائن عاصی آپکے فرزند دوئم تھے۔ آپ ایک مدت دراز تک محکمہ نمک ممالک متحدہ آگرہ اودھ میں ملازم رہے۔

نمونہ کلام (مثنوی در حمد باری تعالیٰ)

امیر است و آمرزگارِ جہاں، امیری گدا را بہ بخشد ہماں،
بری از تمنا یزد بارِ جہاں، بہ من بخشد از فضل تا زتواں،
پناہ صغیر و کبیر است او، بری داد در ہر ضمیر است او،
توانا تو یہ پذیر است او، ترا و مرا دستگیر است او،
ثنائیش چہ گویم کہ ثنائیش نیست ثبات و خرد بخش و دانش یکیست
جمال ہمچو کار بیشک یکیست جمالش بدل بیں کہ ہر اندیکیست

۷۔ حیتر۔ لالہ کنج بہاری۔

(انکے آباؤ اجداد لکھنؤ شہر کے رہنے والے تھے۔) لالہ کنج بہاری لال کے والد کا نام بہادر سنگھ تھا۔ لکھنؤ میں ہی مقیم تھے مولوی غیاث الدین کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ روزی کی تلاش میں ریاست بھوپال کا رخ کیا اور ریاست میں نوکر ہو گئے۔ اور ترقی کرتے کرتے بخشی گیری کے عہدہ تک پہنچ گئے تھے انھوں نے دو فارسی کے دیوان مرتب کئے مصنف تذکرہ انتخاب روزگار نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے چھپتے وقت انکی عمر ۶۷ سال کی تھی۔

کلام

اے برق جلوۂ تو نیاید بکارِ من محتاجِ یک نگاہ کیسے خرمنِ من است

آنچہ کردی خوب کردی بد نمیگویم مگر
لائق بیداد ظالم حیرتِ مسکین نہ بود

نمی آید صدائے
نالہ یا رب
غم دیرینہ یارِ من کجا شد

حیرت آخر زہرزہ گردیِ خویش
بمقام رسیدہ ام کہ میپرس

سخن بہ پیری من عیب حیرتا ہرگز
کہ صرف عشقِ بتاں کردہ ام جوانی خویش

۸۔ خوشدل۔ منشی بھاون لال

خوشدل کے والد کا نام منشی بھگوان داس تھا۔ وہ علم ریاضی میں بڑے ماہر تھے فارسی اور ہندی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ میاں احمد علی احمد سے تلمذ تھا۔ ۱۲۷۴ ہجری شوال کی پندرھویں تاریخ کو قضا کیا۔

نگاری کو کہ نازم نتارش دین و ایماں را
بہ بند حلقۂ زلفش نہم پائے دل و جاں را

۹۔ سروری۔ رائے منشی دھر

یہ قوم کے کائستھ اور لکھنؤ کے باشندہ تھے بخشی الممالک لالہ لال جی بہادر کے ناتی تھے۔ خوش حال اور فارغ البال تھے۔ فارسی میں نظم و نثر دونوں لکھتے تھے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز انادی کے شاگرد تھے راجہ الفت رائے کے وفات کے بعد نیابت بخشی گیری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی طرف انکا رجحان تھا۔

کلام

ناخم بمعنی وسخن امروز سرو ریست
مدح آل سرو ستیدای سرورم

از تذکرہ انتخاب روزگار صفحہ ۱۲۴۔

مطلع قصیدہ

زہے سلطان عادل زہے شاہ مظفر — بقر اد فریدوں دوں بباب دسکندر

۱۰۔ سرور۔ پنڈت تیجھمی رام صاحب ہاکسر متوطن لکھنؤ۔

یہ نواب آصف الدولہ کے ابتدائی عہد میں کشمیر سے صوبہ اودھ میں آئے اور سعادت علی خاں کے دوران حکومت انھوں نے وفات پائی ان کے سلسلہ معاش کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ کچھ عرصہ تک قندھاریوں کے رسالہ میں دخیل رہے۔ انکا کچھ زمانہ اندور میں بھی گذرا ہے۔ مفلسی اکثر اہل جوہر کی رفیق رہی سرور کا دامن بھی کبھی دولت دنیا سے مالامال نہیں ہوا۔ ایک بار لکھنؤ کے مشاعرہ میں چھاگئے۔ مرزا قتیل نے ان کے ایک شعر کے سامنے اپنی ایک غزل پھاڑ ڈالی تھی۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

کلام

نے مقام مسجد نے ساکن بتخانہ ایم — گشتہ ایم از کفر و دیں آزاد و دیوانہ ایم
زاہدا مارا دہ تکلیف از صلوم و نماز — بندۂ پیر مغاں خادم میخانہ ایم
ساختن با سوختن در عشق خوباں کار ماست — جلوہ گر ہر جا کہ شمع ہست ما پروانہ ایم

در کنج غم افتادہ زما کس کسے نیست — دردا کہ بغیر از دم فریاد رسے نیست
در گلشن پر خار زخس و بر ندیدیم
یک مرغ خوش الحال کہ اسیر قفسے نیست

از تذکرہ صبح گلشن صفحہ ۲۰۲۔

۱۱۔ سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ در۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا سن ولادت غالباً ۱۸۴۶ء ہے۔ انکے والد کا نام پنڈت بیج ناتھ تھا لیکن انکا انتقال ہوگیا تھا جب یہ صرف چار سال کے تھے۔ سرشار کا بچپن میں مسلم گھرانوں سے نہایت گھرا تعلق رہا۔ اسلئے انکی زبان فصیح ہوگئی۔ بقول چکبست سرشار نے نثر اردو میں نئی روشنیں نکالیں اور انکی جادو بیانی کا شہرہ پورے ہندوستان میں ہے۔ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے۔
آخری زندگی حیدرآباد میں گذری اور وہیں ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔

تعلّی شاعرانہ

بہ عہد خویش منم رشک سعدی شیراز
اگرچہ از ادا است زمیں بے گلزار

بوجد رود رحِ کلیم از کلام من شب تار
من از سلامتِ طبعِ سلیم دارم عار

بہ بیں بہ نثر چہ مضموں بار رقم کردم
بہ بیں بہ شعر کہ دارد بہ علم من اشعار

بے فسانہ بود مثنوی مناسب تر
قصیدہ را نہ تعلق نہ ہیچ از ہمہ کار

بہ راست ساغر پیمانہ ام زیادہ علم
زہد بصدق گواہی تخلصم سرشار

بہ بوستان سخن کبک خوش خرام منم
نمونہ روش من ز زاغ باد شوار

۱۲۔ سرشار۔ ہیرالال عرف شیام سندر۔ یہ قصبہ کاکوری کے رہنے والے تھے۔ سیاق سیاق، نظم فارسی، بھاشا اردو وغیرہ فنون میں خاصے ماہر تھے۔ ایک مدت تک سرشتہ بخشی گیری دربار اودھ میں ملازم رہے۔ پھر حاشنی معرفت سے آشنا ہو کر دنیا وی تعلقات سے منہ موڑ لیا۔ بقیہ زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کی ہے ۱۲۸۴ ہجری میں انتقال کیا

ایک دیوان اور مثنوی انکی یادگار ہے۔

کلام

بشگفت گل کہ تا چو رخ او شود نشد — گم دید آب تا عرق او شود نشد

ہر چند جلوہ کرد بچند رنگ بر فلک — قوس قزح شاہد ابرو شود نشد ،

۱۳۔ **شیدا۔ پنڈت اجر ناتھ۔** شیدا صاحب کے والد کا نام پنڈت کنھیالال عاشق تھا۔ آپ ایک مدت تک ریاست امیٹھی ضلع سلطان پور اودھ میں بسلسلہ ملازمت مقیم رہے۔ آپکے فارسی کلام کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

غزل

ہزاراں حیف ایں سوز درون در سینہ ماند
نہ کس غمخوار من آمد نہ خود بر کس عیاں کردم

دلے دارم سراپا درد و غم لیکن
تاسف میخورم بیدانہ کس غمخوار آں کردم

دلے صد پارہ در ہر پارہ را صد زخم پنہانے
نمک سودا ز شکیب و صبر بر امتحاں کردم

دلے دارم شرار از سوز شور آہ و فغاں ہا
چراغ کالہ آتش فشاں در بوستاں کردم

دلے دارم پر از سوز و گداز و درد مہجوری
سراپا سوختم چوں شمع بزم جاں کردم

از ماہانہ رسالہ "زمانہ" کانپور جولائی ۱۹۲۲ سے ماخوذ۔

ماخوذ از مراسلہ کشمیر بابت ماہ مارچ ۱۸۷۶ع

۱۴۔ شہید۔ پیم ناتھ مٹو مرحوم رئیس لکھنؤ۔

پیم ناتھ صاحب کے والد کا نام پنڈت بھولا ناتھ مٹو تھا۔ آپکے بزرگان نواب شجاع الدولہ بہادر نواب اودھ کے عہد میں کشمیر سے اودھ میں آن بسے اور ملازمت اختیار کی۔ شہید صاحب بعہدۂ ٹھیکہ داری حضور تحصیل لکھنؤ ممتاز تھے۔ تاریخ ولادت و وفات دریافت نہیں ہوئی۔ زمانہ شاہ امجد علی بادشاہِ اودھ کے عہد میں انتقال کیا۔

کلام

از ازل کافرِ زنّار بدوش آمدہ ام ہندوئے زلفِ ترا حلقہ بگوش آمدہ ام
گم دہے صافی دگر دردہم نوشم باد ساقیا چوں لبِ پیمانہ خموش آمدہ ام
منم آں رندِ زخود رفتہ کہ مانندِ سبو مست در بزمِ بتاں دوش بدوش آمدہ ام
می اردم از کششِ شوقِ تو از حال بحال کہ چناں رفتہ ام از خود کہ بہوش آمدہ ام

۱۵۔ شوکت۔ پنڈت دیبی پرشاد یار ہو۔

آپ کے دو لڑکے پنڈت گنگا پرشاد رِند اور پنڈت جوالا پرشاد آذر دنیائے شاعری میں چاند اور سورج کے مانند چمکے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ پنڈت صاحب کا کلام باوجود کوششِ بلیغ نہیں دستیاب نہ ہوا۔ صرف ایک دو شعر چمنستان کشمیر میں درج تھے۔

چوں کاشی ناتھ یار ز گم عقد خویش بست زنتیں پے چنید دستکر آمدس برست
از روئے دعوتش کہ بجو رہم سال آں ایں شادیِ مکرر تازہ مکرر است

۱۶۔ صاحب رام۔

لکھنؤ کے کائستھوں میں سے تھے۔ تاریخ گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ تاریخ وفات نواب غازی الدین حیدر جو کہ

نجف لکھنؤ میں دفن ہیں اس شعر سے نکالی ہے۔

چوں رفت شہِ زمن ز دنیا ماتم دلِ خاص و عام بگرفت
از روئے یکا نہ آہ گفتم حیدریہ نجف مقام بگرفت

(۱۲۴۳ھ ہجری)

۱۷۔ ضمیر۔ پنڈت بشن ناتھ عرف ہنڈوی۔

انکے زندگی کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ نے رسالہ کشمیر بابت ماہ جولائی ۱۸۷۶ء میں انکیں استاد مسلم الثبوت کہا ہے.... تر زبانی اور نکتہ دانی ان بزرگ وار پر ختم ہے اور سلاست اور رنگیں بیانی آپکا حصہ ہے۔

غزل

وقت رسید آنکہ چرخ کام دلم وا دہد | مزرعِ امید من حاصل گوہر دہد
شاید عیشِ دوام جلوہ رنگیں کند | ساقیِ روح بدام راحِ معطر دہد
آتشِ گل آورد دیگ طرف کا بجوش | دودِ دل در دماغ نکہت عنبر دہد
غلغلہ باید صبا غالباً یاد نسیم | عطر فروشتہ ہوا گل ہمہ ساغر دہد

۱۸۔ عدنی۔ لالہ بیجناتھ

لالہ بیج ناتھ عدنیؔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ مرزا قتیلؔ و غلام محمد فائقؔ کے شاگرد تھے۔ آخر عمر میں دنیا سے رنجیدہ ہو گئے تھے۔

از تذکرہ صبح گلشن ۲۸۰۔
بہار گلشن کشمیر صفحہ ۵۹۳۔

صنم چو زلف دوتا را شکست بشکستاد | بزخمہ دل ما را شکست بست سشاد
کوے یار است چمن شور ہزاران از من | سینہ از داغ غمش رنگ گلستاں از من
دونالان از منتِ دونان برسینہ حی زد | نالان برسینہ اولی تر از دونان نان جستن

۱۹۔ گلشنؔ۔ راجہ جیا لال۔

راجہ جیا لال گلشنؔ لکھنؤ شہر کے بہت بڑے رئیس تھے۔ آپکے والد کا نام رائے بھوانی بخش تھا۔ یہ قوم کے کائستھ تھے آپکے بزرگوار برابر دربار شاہان اودھ وشاہان دہلی میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز رہے۔ آپ کا سال ولادت ۱۷۸۵ء اور سال وفات ۱۸۶۵ء ہے صاحب دیوان شاعر تھے۔ فارسی اور اردو دونوں میں شاعری کرتے تھے۔

کلام

دل بر آمد با کمندِ زنفس از چاہ ذقن | شد نبات اکنوں چہ لازم چارہ ایں
رم آہو بجائے گرد میخیزد زرفتارم | بیاد چشم شوخش بسکہ وردل جبتی آرم

رباعی

آں گوہر نایاب کہ در اخفا بود | تا چشم کشادیم محیط ما بود
عنقا در تانفسی شنیدم کہ ہست | دیدیم چوں نیک قافِ در عنقا بود

۲۰۔ گلشنؔ۔ رائے گلاب رائے۔

رائے گلاب رائے گلشنؔ سندیلہ قصبہ کے رہنے والے تھے۔ مرزا محمد حسین قتیلؔ کے شاگرد تھے تمام علوم کے

از تذکرہ صبح گلشن ص ۲۷۸۔

" " " ص ۳۴۹۔

علاوہ فن سپہ گیری و نیزہ بازی و تیراندازی میں مہارت رکھتے تھے۔ تذکرہ شعراء ضخیم اور دیوان ضخیم چھوڑا ہے۔

آنکس کہ از زبان تو حرف جفا شنید | گویا پیام خضر آب بقا شنید
عاشق کہ سوئے ملک عدم سیر زاد | آشفتہ جگر بود بیادِ کمر اد

۲۱۔ لائق۔ لالہ کنج بہاری لال۔

لالہ کنج بہاری لال کے والد کا نام منشی بانکے بہاری تھا۔ لکھنؤ وطن تھا۔ مختلف علوم و فنون بہت ہی شوق اور محنت سے سیکھے۔ محمد حیدر علی خاں کی سرکار میں ملازم رہے۔ فارسی میں شاعری کرتے تھے۔

مبارکباد ای دلدادہ دیجئے تو می آید | چراغ خانہ دولت مشکبوے تو می آید
کوئے تو بہشت را ز چشم انداخت، | روے تو بہشت را ز چشم انداخت
خوئے تو مرا بدوزخ انداختہ است، | بوئے تو بہشت را ز چشم انداخت
نے ساختہ است انجمن را مدہوش | می ساختہ است انجمن را مدہوش
ایں جملہ غلط اگر زمن می پرسی | وی ساختہ است انجمن را مدہوش

۲۲۔ موجی۔ رام موجی۔

منشی موجی رام موجی کے والد کا نام دولت چھتر پت رام تھا۔ وہ سریواستو کائستھ تھے۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے انکے والد نواب حسین علی خاں خلف نواب سعادت علی خاں فرمانروا والے اودھ کے یہاں ملازم تھے۔ منشی موجی رام نحو و تصبہ سانڈی میں قانون گو تھے غلام

از تذکرہ انتخاب روزگار۔ منشی امیر احمد مینائی صفحہ ۳۲۳۔

ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ انکے دیوان اردو اور فارسی میں ہیں۔

کلام

روا جی دادہ ام درد بیقراری را ؎ — نوشتم جائے بسم اللہ در انگ جاری را
دماغم جز ببوے یار یا چیزے نمی سازد — دعا گوید از من بہجت باد بہاری را
جانم رسید برلب و دل در تپیدن ست — شد بیتو جائے کہ تعلق بدیدن است
اے وحشت آشنا زبرم تار میدہ — نے فکر راحتم نہ غم آرمیدن است
آنکہ با غیر زند حرف محبت ہردم — خوش کند خاطر من کاشن بدشنامی چند
زنجیر زلف او درہند زلف پرشکن رفتم — بدنبال غزالاں رفتہ رفتہ تاختن رفتم
گل داغ دل عشاق از آہ سحر خندد — صبا را سبزہ بیگانہ داند گلستان من
بیابان گی رسد افسانۂ حال پریشانم — شب زلف درازش کوتہ است از داستان من

۲۳۔ واثق۔ مکھن لال۔

مکھن لال قوم کے کائستھ اور لکھنؤ ضلع کے قصبہ ملانواں کے باشندے تھے۔ وہ شیریں بیانی اور نکتہ دانی کے لیے مشہور و معروف تھے۔

شب سوے من راہ از غلط آمد و خوش کامہ را — خوبان زنند کحل بصر از غبار من
برگشت ہمچون رو زمن تشنید چون نام مرا — گر پاشی ز ناز بخاک مزار من
کردی از خاطر فراموش یاد ما صد آفریں — اے فراش کار صد رحمت ترا صد آفریں

تذکرہ صبح گلشن ۔ ۴۶۸۔

شیریں لبا چہ سنگدلی کز جفائے تو ـــ آید بنالہ کوہ جدا کوہکن جدا
ہمچو نہ سرخ یا می آں دل آرا ـــ بنازم سبز بختیٔ حنا را

۲۴۔ وفا منگلی لال لکھنوی۔

منگلی لال لکھنوی کے والد کا نام مجلس رائے تھا۔ جو کہ قصبہ کاکوری کے قانون گو تھے۔
شوخی کی ولم بر دو گفتم دلی جان است
دل بردن و جان خواستن آئین بتان نیست

۲۵۔ ہندو شیو سنگھ لکھنوی۔

یہ بھولا ناتھ لکھنوی کے لڑکے تھے۔ مرض جنون میں مبتلا تھے۔

دل نیاساید بہ جنت محو روی یار را ـــ کی کند سیراب کوثر تشنہ دیدار را
با کمال آرزو در سایہ جانان جان سپرد ـــ صد ہزاراں آفریں فرہاد شیریں را

۲۶۔ منشی بہاری لال نادری خیرآبادی۔

آپ خیرآباد کے کائستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مجسم شرافت اور حسن خلق کے نمونہ تھے اور اس دور کی تہذیب اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں سے بڑے گہرے تعلقات تھے شادی و غم ہر موقع پہ شریک حال رہتے تھے۔ عربی فارسی کے اعلیٰ تعلیم کے علاوہ اونچے درجہ کے خوش نویس بلکہ فن نستعلیق کے ماہر تھے۔ خیام العصر ریاض، آغائے سخن وسیم اور مفتی سید فخرالحسن صاحب جیسے صاحب علم و فضل کو آپ سے

تذکرہ صبح گلشن۔ ۵۷۶۔
" " " ۶۰۹۔

شرف تلمذ حاصل تھا۔

منشی جعفر زہری کے مذکورہ قطعہ تاریخ کے جواب میں آپ نے جو خط تحریر کیا ہے وہ فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔

دو چار قطعہ تاریخ خود تحریر فرمودہ ابلاغ داشتند نیز بزم سخن پروری و مشارق شرف زبان آوری منشی امام مقبول خاص و عام عزیز از جان متولی منشی محمد جعفر صاحب زہری زاد عمرہٗ و قدرہٗ از نظر دیدہ مقال بہاری لال فراتب دعوت بنجاب مستجاب باد تصنیف سامی حرف بہ حرف دیدم بمقیاس و قیاس سنجیدم سبحان اللہ از نشست مضمون و بندش الفاظ و متانت معانی و فصاحت زبان و طلاقت لسان و حسن ترکیب و بلندی خیال و نازکی اشارت محلہ و سخن وران روزگار است الحق ایں معنی از عنایت وہاب است نہ بزور اکتساب

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا ست

ایزد جل شانہ ذات جامع الصفات را در ظل حفاظت و عنایت

٢٧۔ مول چند عرف بابو لال اثر خیرآبادی۔

اپنے دور کے اچھے شاعر اور عمدہ نثار تسلیم کئے جاتے تھے۔ مضطر خیرآبادی کے خط کے جواب میں آپنے ایک رقعہ لکھا تھا جسمیں مول چند اثر کی فارسی نثر نگاری کا کمال نمایاں ہو لکھتے ہیں۔

"رفاقت کیش صداقت اندیش چوں اخلاص ایں محب بہ اختصاص بہ غائلہ ریب و شائبہ قساوت قلبی قلبی نہ قلبی دکو الیف خمول الفت نگاشتی چہ و مراۃ دل صفا منزل انعکاس ندیر صور حقائق باطنی [illegible]

(کتم تلواسہ بہ دانستی چہ) صورت پرستاں ظاہر بیں۔ بہ ارتباط ردالنظر ظاہری بالحزن (اصحاف دہول نہ بردانستی حیثیت) صاحب دلدیں صفوت آئیں بہ استحکام پیوند معنوی معروف بہ ستجمل عوارض میانجیت۔

نادیدہ مجذ نقش چیت والسلام (خیر آبادی کی ایک جھلک) شمس العلما عبدالحق خیر آبادی کی وفات پر مولوی حید الته نے یہ تاریخ لکھی تھی۔

در علم و فضل از جہ عدیم النظیر بود زاں سال وصل نیز عدیم النظیر شد

خود دانستہ از عمر و دولت علم و عمل بہرہ دانی وہ کہ ایں زمانہ کہ تاریک تر از شب دیجور است آفتاب آسماں ہنر پروری بودہ اند زیادہ برایں خالی از تکلفات رسمی نیست تصدیعہ دیگر ایں است کہ ایں ہر دو قطعہ کہ از زبان مقطوع اللسان سر زدہ بہ نظر تصحیح و ترمیم ملاحظہ فرمائید و لحاظ پیری و بزبانی را خیر باد گفتہ روائداد ہر دو قطعہ را بہ خامہ اصلاح طراز بازآئید زیادہ نیاز و بندگی۔

قطعہ

آں نبی بخش رکن دین نبی مخزن علم و فضل صاحب ورع
بہ وصالش ندا از غیب آمد آہ کم گشتہ رفعت والی مترع

(خیر آباد کی ایک جھلک ص ۸۳، ۱۲۹۱ھ)

علاوہ ازیں ایک نثری نمونہ نقل کیا جاتا ہے۔ جسکی زبان سے زیادہ تاریخی اہمیت ہے۔ یہ ایک فرمان ہے جو نصیر الدین حیدر فرمانروائے لکھنؤ کے حکم سے ہولی کے موقع پر تحریر کیا گیا تھا۔ اس فرمان میں جادوی رقم طرازی ہے۔

"ہنگامہ ہولی کے منشاء نشاء بے حیائی تنگ ظرفاں روزگار است بر سر ... شمس ... نادیدہ زن زنان

شرفاء و غربا را بہ جا ناہموار دیدہ بر آنہا ہزل آمیز و فحشہائے دشنام نثر کہ عرفِ کبیر تا منند لذاتِ نفسانی را بتکلم زبانی ادا می سازند از انجا کہ ایں اعمال ممنوع و اقوال نامشروع منظور رائے عدالت پیرائے نیست لاجرم بتاکید تمام طرازِ ارقام می باید کہ ہر کس بزبادِ پیر صغیر و کبیر مرتکب کبر گوئی خواہد گردید متوجب عتاب سلطانی کہ نمونۂ تیر زبانی است خواہد گشت ۔

خاوری کے کلام سے صرف ایک قطعہ تاریخ پیش کیا جاتا ہے انھوں نے حضرت حبیب اللہ علی احمد شاہ قلندر المتوفی ۱۲۹۹ پر لکھا تھا۔

رواں شو اے نسیم صبح گاہی ‏ بگو در جنت از حکم الٰہی
بیارائید فردوس بریں را ‏ بپوشانند زیور حور عین را
کہ می آید قلندر بادشاہے ‏ ملائک لشکرے قدسی پناہے
شہ شاہی دہ شہباز لاہوت ‏ چراغ خانقاہِ بزم جبروت
بہ رضوان گو در جنت کشاید ‏ باستقبال شاہ ما برآید
بہ استفسار تاریخش رسیدم ‏ منقش بر در فردوس دیدم
ہزار و دو صد و نہ بر نود بود ‏ کہ آں شاہ جہاں رحلت فرمود

(۱۲۹۹ ہجری)

خاوری کی غزل کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

دود آہ من بہم پیچیدہ سنبل ساختند
در گلستان رخش پرندہ بلبل ساختند

۲۸. گرامی خیرآبادی

منشی موہن لال نام تھا اور گرامی تخلص۔

می تواں جست از زبان شمع ‏ قصۂ سوز و ساز معشوقاں

۲۹. عاجز خیرآبادی

نام رائے پورن چند تخلص عاجز۔ آپ رائے جھمن لال مسجز کے نورِ نظر تھے۔

بہ نزدیک مکان آمد سواری — حسینی کرد شورِ آہ و زاری
چو عالم دید لطفِ چارہ سازی — عیاں شد جلوۂ عاجز نوازی

---

۳۰. جوہر بلگرامی۔

رائے شنکر سہائے نام اور جوہر تخلص ہے۔ آپ ستمبر ۱۸۹۱ء میں ملکنٹھ، قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں پیدا ہوئے تھے۔ قوم سے آپ کائستھ سریواستو ہیں۔ آپ نے مختلف جگہوں پر مختلف عہدوں پر ملازمت کی۔ بسلسلۂ ملازمت آپ حیدرآباد دکن میں بھی قریب پچیس سال رہے تھا یا اس سے زیادہ نہیں اور وہاں کا قیام نہیں رہا۔ وہاں محلہ خیرآباد بلدیہ حیدرآباد میں یہ رہتے تھے اور بہ عہدہ ناظم، فوجداری و دیوانی اس بلدیہ میں تعینات تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ وطن آگئے اور کبھی بلگرام قیام پذیر ہوئے کبھی لکھنؤ میں اپنے فرزند کملاپت سہائے ماہر بلگرامی کے یہاں آپ نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء اپنے وطن بلگرام میں ہی انتقال فرمایا۔

آپ مذہبی انسان تھے اور رام اور کرشن سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ انکے موضوعاتِ شاعری بھی عموماً یہی بزرگان دین یا اوتار ہیں۔ رام سے متعلق قطعہ دیکھئے۔

اے کہ از جلوۂ تو تخت اجودھیا نازد — وی کہ بر ذاتِ تو معمورۂ دنیا نازد
کشتۂ تیر چوں داخلِ فردوس شود — پس بہ پاداشِ خود سر دو لنکا نازد

غزل کے بھی شعر ملاحظہ ہوں۔

در سرِ خویش چہ گویم کہ چہ سودا دارم — شوقِ دیدار جمال رخ زیبا دارم
در جہاں بہر جبینِ ساقیِ خود اے جوہر — سجدہ گاہِ دو جہاں بلندۂ متھرا دارم

۳۱۔ محفوظ۔ لچھمی نرائن۔

اسم گرامی لچھمی نرائن عرف مادن لال ہے اور محفوظ تخلص ہے یہ عوض رائے مسرت کے صاحب زادے ہیں تعلیم و تربیت باپ نے کی کلام پر اصلاح اپنے والد ہی سے لیتے تھے۔ تھوڑے دنوں تک سرکاری ملازمت بھی کی مگر جنون کی وجہ سے دست بردار ہونا پڑا باپ کا علمی سرمایہ بھی عالمِ جنون میں برباد کر دیا۔ کافی عمر پاکر دیارِ فانی سے کوچ کیا۔ جنون مرتے وقت تک قائم رہا۔

آپکی ایک مکمل غزل ملاحظہ ہو۔

غزل

چشمش بقتل عاشقاں باشد نہ تنہا یک طرف
بکشو نگہ خنجر بکف مژگاں صف آرا یک طرف

بہر دلِ بیچارہ ام دارد نزاعے درمیاں
ہندوئے خالش یک طرف زلفِ چلیپا یک طرف

آں گلعذار سرو قد چوں شد بگلشن جلوہ گر
گل شد پشیماں یک طرف سرو قد آرا یک طرف

محفوظ از زلف و رخِ آں دل ربا در حیرتم
شب جلوہ دارد یک طرف در جلوہ بیضا یک طرف[1]

مردم ز سوز غم عشقت تمنتا ز ستم
ہر کہ بجام نزل کند بادہ دل کشائے تو

کردہ ام از داغ دل شمع مزار خویش را
پر سپرنگ میزند جام جہاں نمائے او

---

[1] زلال جنوری ۱۹۴۱ء مضمون نگار حضرت کلیم اعظم گڈھی

۳۲۔ شوق۔ دولت۔ دولت رائے نام شوق تخلص تھا۔ راجہ بھولا ناتھ لکھنوی آپکے دادا تھے۔ آپ آخری تاجدار لکھنؤ کے دربار میں انشاپرداز تھے۔ اردو اور فارسی کی شاعری میں منشی ولال زار سے اصلاح لیتے تھے۔ درج ذیل اشعار ایک قصیدہ کے ہیں جو المغفور نے نواب واجد علی شاہ کی مدح میں کہے تھے۔

اے حسن فروغ از در حسن تو جہاں را — داغ تو چراغ است دل پیر و جواں را
بہ صورت معنی بکشایم چشم دلِ من — اے روشنیِ نطق یوسف تو زباں را
شوق از تو کند دولت عشق تو تمنا — بسیار بدست دلش ایں گنج نہاں را

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

اے نثار صورت نام تو نقد جان ما — گوہر معنی عطا کن در کف ایمان ما

۳۳۔ ناز مانکپوری۔ چمن سرن نام ناز تخلص ہے۔ آپ ۱۸ فروری ۱۹۲۳ء کو محلہ بجھن پور قصبہ مانکپور ضلع پرتاب گڑھ میں وہاں کے مشہور کائستھ خاندان میں پیدا ہوئے والد کا نام نثار دائر پرساد تھا جو بسلسلۂ ملازمت رائے بریلی میں کافی عرصہ تک رہے ناز صاحب نے ابتدائی تعلیم انھیں کے ساتھ رہ کر رائے بریلی میں حاصل کی۔ فارسی تعلیم گھر کے جاگیردارانہ ماحول میں جس طرح رسماً ہوتی رہی ہے آپ نے حاصل کی۔ اردو کے اچھے شاعر ہیں۔ کبھی کبھی فارسی میں بھی کہہ لیتے

درج ذیل ہند علامہ اقبال کے مشہور شعر۔

مغاں کہ دانہ انگور — آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب — می سازند

پر تضمین ہے۔

براے نغمہ ہستی رباب می سازند
بہ سوز آرزوے دل کباب می سازند
زاین شراب جنون انقلاب می سازند
مغان کہ دانۂ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

مآخذ

ناانصافی ہوگی اگر ہم ان کتابوں کا تذکرہ نہ کریں جن سے زیرِ نظر کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ہم نے ہر ہر منزل پر ان سے استفادہ کیا ہے۔

نام کتاب	مصنف	نام کتاب	مصنف
فارسی کتب		(۱۳) تذکرہ شمع انجمن	نواب صدیق خاں
(۱) آئین اکبری	ابوالفضل بن مبارک	(۱۴) تذکرہ صبح گلشن	نواب علی حسن خاں
(۲) انشائے حیا	حیا	(۱۵) تذکرہ بزم سخن	" "
(۳) انشائے لکھشمی نرائن	راجہ لکھشمی نرائن	(۱۶) تذکرہ خزانۂ عامرہ	آزاد
(۴) انشائے زخمی	راجہ رتن سنگھ زخمی	(۱۷) تذکرہ سفینۂ ہندی	لالہ بھگوان داس ہندی
(۵) اعجاز خسروی	امیر خسرو	(۱۸) تذکرہ خوشگو	منشی بندرابن داس خوشگو
(۶) بوستان اودھ	راجہ درگا پرساد سندیلوی	(۱۹) تذکرہ مجموعۂ نغز	نامعلوم
(۷) تاریخ شعر و ادبیات ایران	مولانا شبلی نعمانی	(۲۰) تذکرہ بے نظیر	مولوی عبدالوہاب افتخار
(۸) تاریخ فرشتہ	فرشتہ۔ جلد اول	(۲۱) تحفۃ العالم	مولوی عبداللطیف شوستری
(۹) تنقیح الاخبار	منشی منولال فلسفی	(۲۲) جواہر افلاک	منشی جواہر سنگھ جوہر
(۱۰) تذکرہ روز روشن	مولوی محمد مظفر حسین گوپاموی	(۲۳) چہار گلشن شجاعی	منشی ہرچرن داس
(۱۱) تذکرہ عقد ثریا۔	مولوی غلام ہمدانی مصحفی	(۲۴) حدائق النجوم	راجہ رتن سنگھ زخمی
(۱۲) تذکرہ نگارستان سخن	نواب نورالحسن خاں	(۲۵) دیوان آتش	لالہ جنیالال

نام کتاب	مصنف
(۲۶) خمسہ ہفت بند کاشی	راجہ الفت رائے الفت
(۲۷) دیوان فیض	منشی کرپا کرشن فیض
(۲۸) دیوان زخمی	راجہ رتن سنگھ زخمی
(۲۹) دیوان وقار	راجہ جوالا پرشاد وقار
(۳۰) سیر المتاخرین	سید غلام حسین
(۳۱) سراج الیاق	منشی پنڈت لال زار
(۳۲) سبحۂ سیارہ	مولانا محمد بخش
(۳۳) شرح گل کشتی	راجہ رتن سنگھ زخمی
(۳۴) عمل صالح	نامعلوم
(۳۵) سعادت السعادات	منشی غلام علی
(۳۶) عمدۃ النصائح	راجہ جوالا پرشاد

اردو کتب

نام کتاب	مصنف
(۱) افضل التواریخ	منشی رام سہائے تمنا
(۲) احسن التواریخ	منشی رام سہائے تمنا
(۳) ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ	ڈاکٹر عبداللہ صاحب
(۴) اقتباس نظر ذاکر	سید مسعود حسن رضوی
(۵) امرائے ہنود	سعید احمد صاحب
(۶) آب حیات کا تنقیدی مطالعہ	سید مسعود حسن رضوی

نام کتاب	مصنف
(۷) ماہنامہ "آجکل"	(مختلف شمارے)
(۸) ماہنامہ "اردو" دہلی	ایڈیٹر عرش ملسیانی
(۹) اودھ ٹائمز تاریخ میگزین نمبر	سنہ ۱۹۷۱ء
(۱۰) تواریخ نوادر العصر	منشی نولکشور
(۱۱) تاریخ آئینہ اودھ	سید محمد ابوالحسن مبارکپوری
(۱۲) تاریخ اودھ	حکیم نجم الغنی (۵ جلدیں)
(۱۳) تذکرہ بہار سخن	بابو شیام سندر داس
(۱۴) تذکرہ شعرائے ہنود	خواجہ عشرت
(۱۵) تذکرہ خمخانہ جاوید	لالہ سری رام ایم۔اے
(۱۶) تذکرہ بہار گلشن	منشی برج کشور کول
(۱۷) تذکرہ تاریخ الافکار	محمد قدرت اللہ گوپاموی
(۱۸) تذکرہ انتخاب یادگار	منشی امیر احمد مینائی
(۱۹) تذکرہ نشتر عشق	
(۲۰) تذکرۃ الاخیار	درگا پرشاد نادر
(۲۱) گلستان شعرا	رائے لچھمن
(۲۲) کمل کتھا	تفضل علی فضل
(۲۳) کمپنی کی حکومت	باری
(۲۴) گذشتہ لکھنؤ	مولانا عبدالحلیم شرر
(۲۵) لکھنؤ یونیورسٹی جنرل	....

نام کتاب	نام مصنف	نام کتاب	نام مصنف
Journeythe (7)	Heaber	-Leaming	
ough Avadh		Reviewcat (10)	
Oudh under (8)	Bhatnagar G.D	-alaque I,II	
Wajid Alishah		The Later (11)	J.N. Sarker
Promotion of- (9)		Moughals.	

فہرست مخطوطات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام لائبریری/کتبخانہ
(۱)	انشائے سرب سکھ	منشی سرب سکھ	رضا لائبریری رام پور
(۲)	انیس العاشقین	راجہ رتن سنگھ زخمی	ٹیگور لائبریری لکھنؤ
(۳)	آئینہ خیالی	منشی خیالی رام خیالی	کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ
(۴)	امیر نامہ	منشی بسادن لال شاداں	رضا لائبریری رامپور
(۵)	تذکرہ انیس الاحباب	منشی موہن لال انیس	خدا بخش لائبریری پٹنہ
(۶)	تذکرہ سفینہ ہندی	لالہ بھگوان داس ہندی	" " "
(۷)	چار جوہر	منشی دولت رائے شوق	رضا لائبریری رامپور
(۸)	دیوان زار	منشی کتاب رائے زار	" " "
(۹)	دیوان زاری	منشی متولال زاری	" " "

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی
(چیئرمین اردو بورڈ کراچی)

یہ جان کر مجھے بیحد مسرت ہوئی ہے کہ ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا نے "نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان" کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ نہایت ہی محنت سے تیار کیا ہے۔ ڈاکٹر سریواستو مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے موضوع پر تحقیق کی جسکی آج قومی یکجہتی کے لحاظ سے بیحد ضرورت ہے۔

اودھ کی سرزمین گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ رہی ہے۔ اور نوابان اودھ نے جس خصوصی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کی تربیت و پرورش میں حصہ لیا ہے وہ انکی وسعت نظر اور فراخ حوصلگی کا بین ثبوت ہے۔ مصنف موصوف نے بعض ایسے غیر مسلم شاعروں اور ادیبوں کا تعارف کرایا ہے جو ہنوز پردۂ خفا میں تھے لیکن پیش کردہ کلام کے مطالعہ سے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ نہایت بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے۔ اور وہ ہمیشہ مستند مسلم شعراء کے دوش بدوش ہر میدان میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ سریواستوا صاحب مستقبل میں بھی دنیائے ادب کو ایسی ہی نئی ہستیوں سے روشناس کراتے رہینگے۔

ابو اللیث صدیقی
(کراچی پاکستان ۳ فروری ۱۹۷۹ء)

ڈاکٹر انوارالحسن صدیقی
(پروفیسر و صدر شعبۂ اردو و نیشنل لینگویجیز، لکھنؤ یونیورسٹی)

زیرِ نظر کتاب کا قلمی نسخہ مسودہ میری نگاہوں سے گذرا، خوشی ہوئی کہ مصنف نے بڑی جانفشانی سے کتاب کو مرتب کیا ہے۔ نوابی عہد میں اودھ کے غیر مسلم شعرا اور ادبا نے جو شاہکار بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ انہیں زندہ رکھنے کے لیے ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا نے جو قدم اٹھایا ہے قابلِ تحسین و آفریں ہے۔

موضوع کتاب کی نوعیت مقتضی تھی کہ عہد نوابین کے نامور شعرا کے حالاتِ زندگی اور انکے کلام پر مزید تبصرہ کیا جاتا اور انکے شاہکاروں کی کچھ اور تفصیلات پیش کی جاتیں تو موضوع کی یہ تشنگی ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئی ہے، تاہم فاضل، مصنف اپنی تگ و کاوش اور جانفشانی کے لیے قابلِ ستائش ہے۔

انوارالحسن صدیقی
(۱۰ را پریل ۱۹۷۵ء لکھنؤ یونیورسٹی)

ویریندر پرشاد سکسینہ
(ایڈووکیٹ)

ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا بڑے اچھے ذوق کے ادیب ہیں اور تحقیق و ریسرچ کی طرف آپ کا فطری میلان ہے۔ اور اس حیثیت سے آپ ہندوستان گیر شہرت کے مالک ہیں۔ ۲۵ سال سے اردو ہندی اور فارسی ادب کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سید مسعود حسن ادیب مرحوم

اور سورگیہ منشی نوبت رائے نظر کی طرح آپ نے لکھنؤ اسکول کے اردو فارسی ادب اور زبان کے کلچر پر اتنا کچھ لکھا ہے کہ اردو ادب آپ کے احسان کو نہیں بھلا سکتا۔ اردو زبان میں آپ کی کتاب "نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان" شائع ہو رہی ہے۔ یہ کتاب آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے ترتیب دی ہے۔ اسکا مطالعہ کسی بھی اہل ذوق کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتاب ہمارے تحقیقی ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ امید ہے کہ ملک اس کتاب کی قدر کرے گا۔ اگر اس کتاب کا ہندی اڈیشن بھی شائع ہو جائے تو بہت مفید ہوگا۔

دیویندر پرشاد سکسینہ
(یکم جنوری ۱۹۷۹ء) (بدایوں)

پروفیسر ایم۔ ایم جلالی۔
(صدر شعبہ فارسی بریلی کالج، روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی)

ایسے دور میں جبکہ اکثر اہل ہنود اپنے آباؤ اجداد کی فارسی نوازی اور ادبی خدمات کو فراموش کرتے جا رہے ہیں، ہمارے دوست ڈاکٹر نریندر بہادر سریواستوا کا عہد نوابین کے ہندو شعرا اور ادبا کی فارسی خدمات پر قلم اٹھانا عجائبات میں سے ہے۔ زیر نظر کتاب اس امر حقیقت کی شاہد و غماز ہے کہ فاضل موصوف کو فارسی ادب سے والہانہ محبت ہے میں اپنے دوست کو یہ مشورہ دینے کی جسارت کرونگا کہ وہ ایک محدود "عہد نوابین" سے آگے قدم بڑھائیں اور وسیع النظری کے ساتھ تمام ہندوستان کے غیر مسلم شعرا و ادبا کے ادبی کارناموں اور شاہکاروں کو منظر عام پر لائیں۔ عوام

کو خاص کر ان غیر مسلم طلباء کو جنکے لیے دورِ حاضر میں فارسی کا مطالعہ ایک عجوبہ بنتا جارہا ہے، ڈاکٹر نرندر بہادر سریواستوا کی شخصیت اور انکا ادبی ذوق یقیناً تازیانۂ عبرت ثابت ہوگا۔

مجھے امید قوی بلکہ یقین کامل ہے کہ مصنف موصوف کی کتاب کے مطالعہ کے بعد عوام و خواص کے قلوب فارسی شعر و ادب کی شیرینی، اسکی غیر معمولی افادیت اور اسکے بے پایاں اعجاز و سحر کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

محمد بشیر جلالی

(ابو ظبی - ۵ ستمبر ۱۹۷۵ء)

(فارسی کے ہندو شعرا
از عبدالحلیم آسی = رسالہ [illegible] 1907 رسالہ دربھنگہ بہار
آشفتہ شیریں بہاری لال فخر ۱۸۸۳ [illegible]
[illegible]